بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

پہلا محاضرۂ علمیہ

بر موضوع



پیش کردہ

جناب مولانا عبد الخالق سنبھلی صاحب

استاذ فقہ وادب دار العلوم دیوبند

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم. امابعد!

مجھے آج کے اس پہلے محاضرہ میں "مودودیت" اور اس کے بانی سے روشناس کرانا ہے اسی کے ساتھ ساتھ فرقہ بندی کے اسباب ابتدائے اسلام کے گمراہ فرقوں کا تعارف اور انکے ضلال کے اصول پر بھی مختصر روشنی ڈالنی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد ملتِ اسلامیہ کے درمیان کتاب وسنت کی شمع فروزاں چھوڑ گئے تھے، اور نورِ نبوت سے براہِ راست فیض حاصل کرنے والے ہدایت کے ستارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی موجود تھے جن سے شاہراہِ اسلام پوری طرح روشن اور واضح تھی، مگر ہر طرح کی روشنی کے باوجود ہوا پرستوں اور خواہش کے بندوں نے من مانی شروع کر دی اور جادۂ حق سے ہٹ کر اہلِ حق سے کٹ گئے اور وادیٔ ضلالت میں جا پڑے۔ فرمانِ باری ہے۔

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیٔ ط انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون ط [انعام ۱۵۹]

جنہوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں، اور بہت سے فرقے ہو گئے تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ پھر وہی ان کا کیا ہوا ان کو جتلا دے گا۔

اس آیت میں دین کے اندر تفریق پیدا کرنا اور فرقوں کا ظہور مذکور ہے، مفسرین کی وضاحت کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ اصولِ دین کی اتباع کو چھوڑ کر اپنی حسبِ منشا یا شیطانی مکروفریب میں مبتلا ہو کر دین میں کچھ نئی چیزیں بڑھا دے یا بعض چیزیں چھوڑ دے، اس میں پچھلی امتوں کے لوگ بھی داخل ہیں اور اس امت کے گمراہ لوگ بھی جو دین میں اپنی طرف سے بے بنیاد چیزوں

کو شامل کرتے رہتے ہیں۔

مذکورۂ آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اس امت کے گمراہ لوگ ہیں اور انھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے تفصیلی روایت نقل فرمائی ہے[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح واضح فرمایا ہے کہ،

"میری امت کو بھی وہی حالات پیش آئیں گے جو بنی اسرائیل کو پیش آئے، جس طرح کی بداعمالیوں میں وہ مبتلا ہوئے، میری امت کے لوگ بھی مبتلا ہوں گے، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ایک فرقے کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے فرمایا ما انا علیہ واصحابی یعنی وہ جماعت جو میرے طریقہ پر اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلے گی، وہ نجات پائیگی[2]"

(اس روایت کو ترمذی، ابو داؤد نے بروایت ابن عمر رض نقل کیا ہے)

اس حدیث پاک میں تفریق سے بچ کر شیرازہ بندی کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضابطہ متعین فرما دیا کہ راہِ نجات چاہتے ہو تو میرے ساتھ میرے صحابہ کو بھی معیار حق ماننا ہوگا۔

لہٰذا صلاح و فلاح اور سعادت دارین مسلمان کے لیے اسی میں ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی اتباع کرے اور جس آیت اور حدیث کی مراد میں شبہ ہو اس میں اس کو اختیار کرے جس کو جمہور صحابہ نے اختیار فرمایا ہو۔

اسی مقدس اصول کو نظرانداز کر دینے سے اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے کہ تعامل صحابہ رض اور تفسیرات صحابہ رض کو نظرانداز کر کے جو جی میں آیا اس کو قرآن وسنت کا مفہوم قرار دیدیا یہی وہ گمراہی کے راستے ہیں جن سے قرآن کریم نے بار بار روکا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ جلالین ص۱۲۵۔

[2] بحوالہ معارف القرآن ج ۳ ص۵۰۳۔

نے عمر بھر بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا اور اس کے خلاف کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔

امت میں فرقہ بندی کے اسباب

ملت اسلامیہ میں انتشار و اختلاف[سے] کی قرون اولیٰ ہی میں تخم ریزی ہو چکی ہے اور ہر فرقہ اپنے نظریات کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ نیز اختلاف کے مظاہر کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مگر اس کے اسباب و عوامل اکثر پس پردہ رہتے ہیں، بعض اوقات اختلاف کا سبب ایک جزئی واقعہ ہوتا ہے مگر اس کے پیچھے اصولی و بنیادی اختلاف کی دنیا پوشیدہ ہوتی ہے کہ جن کے نتیجہ میں وہ واقعہ پیش آیا ہے، آخر وہ کیا اسباب ہیں ؟

محققین علماء کرام نے گروہ بندی پر کلام کرتے ہوئے اس کے مختلف اسباب شمار کرائے ہیں

علامہ شاطبی کا کہنا ہے کہ اس طرح کے اختلاف کے عموماً تین اسباب ہوتے ہیں۔

پہلا سبب [خوش فہمی]

کسی بھی شخص کا اپنے بارے میں یا دوسروں کا اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ صاحب علم ہے اور اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے[لہ] حالاں کہ وہ حقیقتہً نااہل ہے اور اجتہاد کے مرتبہ کو نہیں پہنچا مگر لوگ

[سے] ایک اختلاف وہ ہے جس کو رحمت کہا گیا اور وہ جزئیات کا اختلاف ہے کلیات کا نہیں وہ فروع کا اختلاف ہے اصول کا نہیں اور وہ مذموم نہیں جیسا کہ کتب اصول میں ہے۔

[لہ] شرعی اجتہاد جو شریعت کے اصولِ اجتہاد کے ماتحت ہو اس کے لیے کچھ شرطیں ہیں جس میں یہ شرائط موجود نہ ہوں اس کے اختلاف کو اجتہادی اختلاف نہیں کہا جا سکتا نہ اس کی بات کا اثر مسئلہ پر پڑتا ہے دور حاضر میں یہ کام بہت ہو رہا ہے کہ علم دین سے بے بہرہ ہونے کے باوجود اپنے کو مجتہد سمجھ کر نصوص شرعیہ میں رائے زنی کرتے ہیں جب کہ یہ حق امام مجتہد کو بھی نہیں پہونچتا حالانکہ اجتہاد صرف ان مسائل میں ہو سکتا ہے کہ جن کے متعلق کوئی فیصلہ قرآن وحدیث میں نہ ہو یا مبہم ہو کہ جسکی مختلف تفسیریں ہو سکتی ہوں یا آیات و روایات ظاہراً متضاد سمجھی گئی ہوں، اجتہاد کی چند شرطیں ہیں مثلاً قرآن وحدیث کے متعلق تمام علوم و فنون کی مکمل مہارت، عربی زبان سے مکمل واقفیت، صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار کی مکمل معرفت وغیرہ، ان کے بغیر اجتہاد نہیں ہوگا وہ بددینی ہوگی ۱۲

اس کی پیروی کررہے ہیں۔ اوراس کی رائے کو صحیح رائے سمجھا جاتا ہے اوراس سے اختلاف کرنے کو مخالفت پر محمول کیا جاتا ہے۔

ہل لوگوں کے مفتی بن کر بیٹھنے اور بزعم خود مجتہد بن کر کرسئ اجتہاد پر فروکش ہونے کو علامات قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے، بعض سلف تو ان حرکتوں پر رو دیتے ہیں کیوں کہ یہ امت کے لیے بڑی گمراہی کا پیش خیمہ ہے۔

حضرت مالک بن انس رض فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ربیعہ بہت روئے، دریافت کیا گیا کیا آپ کسی حادثہ کا شکار ہو گئے۔ فرمایا نہیں، مگر ہاں! فتویٰ ان لوگوں سے لیا جارہا ہے جو جاہل ہیں (یہ ہے رونے کی وجہ)

دوسرا سبب:- نفسانی خواهش کا اتباع

بایں وجہ گمراہ لوگوں کو اہل ہویٰ (خواہشات والا) کہا جاتا ہے دراصل وہ شرعی دلائل کو موقوف علیہ اور معتمد علیہ قرار نہیں دیتے بلکہ وہ خواہشات کو سامنے رکھ کر اپنی سمجھ اور رائے پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور ثانوی درجہ میں دلائل شرعیہ میں غور کرتے ہیں کہ ان کے نظریات پر چسپاں ہو جائیں تو فبہا ورنہ رد (کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو)۔

فلاسفہ اور عقلیت پسندوں کا یہی حال ہے، چاپلوس اور جاہ طلب لوگ بھی اس طرح کا عمل زیادہ کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنی کم فہمی اور عقل کی بنیاد پر بہت سی صحیح روایات کو پس پشت ڈال کر اپنی غلط رائے اور نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

تیسرا سبب: قدیمی روایات وعادات پر رسوخ

قدیمی طور وطریق پر جماؤ ہو خواہ وہ غلط اور فاسد ہوں اور حق کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، یعنی آباء واجداد اور اشیاخ کی اتباع اور ان کی کورانہ تقلید۔

خداوند تعالےٰ نے قرآن مقدس میں جگہ جگہ اس کی مذمت فرمائی ہے آباء واجداد کی اندھی تقلید کرنے والوں کو جب سمجھایا جاتا تو یہی جواب دیتے:

بل وجدنا اٰباءنا کذٰلک یفعلون۔ — ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح عمل کرتے دیکھا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ یہ گمراہی کا بہت بڑا دروازہ ہے۔

ان مذکورہ تینوں اسباب کا سرچشمہ ہے، مقاصد شریعت سے ناواقفیت، نیز علم نبوی میں رسوخ کے بغیر ان میں اپنی سمجھ اور اٹکل سے کام لینا۔

اور ماہر شریعت اس طرح کی حرکت وجرأت ہرگز نہیں کرتا[1]

اب بعض ان فرقوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جو ان اسباب کو اپنا کر ناجی گروہ سے الگ ہو گئے۔

ابتداء اسلام کے گمراہ فرقے

دشمنان اسلام نے اسلام کے دور اول ہی میں ملت اسلامیہ کے تار و پود بکھیرنے کی دوڑ دھوپ شروع کر دی تھی اور ملت کا شیرازہ بکھرنے لگا تھا۔ چنانچہ مذہب کے نام پر آٹھ بڑے بڑے فرقے اسی زمانہ میں منصہ شہود پر آ گئے تھے۔: (۱) خوارج (۲) شیعہ (۳) معتزلہ (۴) مرجۂ (۵) نجاریہ (۶) جبریہ (۷) مُشبّہہ اور آٹھواں گروہ ناجیہ ہے۔

پھر ان گمراہ فرقوں کی کوکھوں سے مختلف ضمنی فرقوں نے جنم لیا۔ اور ان کی شاخیں پھوٹیں۔ مورخین کا کہنا ہے کہ یہ سب بہتّر فرقوں میں منقسم ہیں اور ایک ہے ناجیہ فرقہ کل تہتّر ہو گئے[2]

مشہور فرقوں کا تعارف

ملت اسلامیہ کے اندر قرون وسطیٰ یا حالیہ دور میں پیدا ہونے والی نام ونہاد اسلامی جماعتوں کا خمیر، اور نسب انہی فرقوں سے ملتا ہے، بس نقاب بدل کر مختلف چہرے سامنے آتے رہتے ہیں اس لیے مختصر طور پر پہلے بعض مشہور فرقوں کا تعارف پیش ہے تاکہ مودودیت سے نقاب کشائی

---

[1] خلاصہ از الاعتصام للشاطبی رح ج۲ ص۱۴۳ومابعد

[2] " " " " ج۲ ص۱۶۱

آسان ہو جائے اور علماء اہل سنت والجماعت کا اس سے اختلاف بھی سمجھ میں آجائے۔

خوارج

اس فرقہ کا ظہور اس طرح ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ رض میں باہمی جھگڑے سے نمٹنے کے لیے جب تحکیم پر آکر بات ٹھہری اور حضرت علی رض کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رض اور حضرت معاویہ رض کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رض حکم کی حیثیت سے نامزد ہوئے تو عروہ تیمی نے کہا کہ اللہ کے امر میں انسان کو حکم بنایا جاتا ہے۔ سوائے اللہ کے کوئی حکم نہیں کر سکتا۔ اور اپنے اس دعویٰ پر استدلال "ان الحکم الا للہ" سے کیا کہ حکم صرف اللہ کے لیے خاص ہے، حضرت علی رض کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: کلمۃ حق ارید بھا الباطل یعنی ان الحکم الا للہ کا کلمہ تو حق ہے مگر اس کو جو معنی پہنائے گئے ہیں وہ باطل ہیں لیکن ان الحکم الخ کا یہ نعرہ اس شدومد کے ساتھ لگایا گیا کہ لوگ کشاں کشاں اس کے ساتھ ہوتے گئے اور ---- حضرت علی رض اور آپ کی جماعت سے کٹتے گئے۔ جب اچھی خاصی جماعت ہو گئی تو اس کا پہلا باضابطہ اجتماع عبداللہ بن وہب کے مکان پر ہوا۔ اس نے اس اجتماع میں نہایت ہی برجستہ دل کو دہلانے والا خطبہ دیا۔ اس کے بعد بالاتفاق لوگوں نے عبداللہ بن وہب کو امیر منتخب کیا۔ انتخاب کے بعد عبداللہ بن وہب نے کہا کہ اب کسی شہر کا انتخاب کر لینا چاہیے تاکہ سب لوگ وہیں جمع ہو جائیں اور اللہ کا حکم جاری کریں کیوں کہ اہل حق اب صرف تم ہی لوگ ہو۔ چنانچہ بالاتفاق "نہروان" کو پسند کیا گیا اور خارجیوں کی پوری جماعت وہیں چلی گئی۔ یہ واقعہ خلافت راشدہ کے عہد کا ہے۔

خوارج کا نعرہ تھا "ایمان" "حکومت صرف خدا کی ہے" "افعال ظالمین سے برأت" ان الفاظ کی آڑ لے کر مسلمانوں کا خون بہایا۔ اور بلاد اسلامیہ کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کیا۔ خوارج میں عقلیت اور نفسانی کیفیت کا غلبہ تھا۔

خوارج ہر گنہ گار کو کافر سمجھتے تھے خواہ یہ گناہ ارادۂ گناہ اور بری نیت سے ہو یا غلط فہمی اور خطاء اجتہادی سے یہی وجہ ہے کہ تحکیم کے معاملہ میں وہ حضرت علی رض کو (معاذاللہ) کافر کہتے تھے، حالاں کہ حضرت علی رض تحکیم کے لیے اپنے طور پر تیار نہیں ہوئے تھے لیکن اگر

وہ از خود بھی تیار ہو گئے تھے، اور یہ تسلیم کرلیا جائے کہ تحکیم بالفرض درست امر نہیں تھا تو بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رض کی یہ خطاء اجتہادی تھی مگر خارجیوں کا حضرت علی رض کی تکفیر پر اصرار اس امر کا غماز تھا کہ وہ خطاء اجتہادی کو دین سے خارج ہونے کا سبب اور فساد عقیدہ کی علامت جانتے تھے۔ یہی وطیرہ ان کا حضرت عثمان رض حضرت طلحہ رض حضرت زبیر وغیرہ اکابر صحابہ کے بارے میں تھا، جن سے خارجیوں کو جزئیات ہی میں اختلاف تھا لیکن ان کی مزعومہ خطاء اجتہادی بھی ان کے نزدیک موجب کفر تھی۔

خوارج کے بعض فرقوں نے تو قرآنی استدلال میں عجیب گل کھلائے اور خوب عقلی گھوڑے دوڑائے چنانچہ خوارج کا ایک فرقہ میمونیہ نے تو بنات اولاد (پوتیوں اور نواسوں) اور بھائی بہنوں کی اولاد کی بیٹیوں سے نکاح جائز قرار دیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتا تھا کہ قرآن نے ان لڑکیوں کو محرمات میں ذکر نہیں کیا ہے۔ اس فرقہ نے سورۂ یوسف کے قرآن ہونے کا یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ ایسی سورۃ قرآن کی کس طرح ہو سکتی ہے جس میں داستان محبت بیان کی گئی ہے لہٰذا اس کو قرآن نہیں تسلیم کیا جا سکتا، خدا ایسے بد اعتقادوں کو غارت کرے[1]۔

مزید یہ بھی معلوم ہو کہ فصاحت وبلاغت، طلاقتِ لسانی اور خوش بیانی خوارج کا مخصوص وصف تھا۔ یہ ہیں دور اوّل کے خوارج اور ہر اس شخص کو بھی خارجی کہیں گے جو ایسے خلیفۃ المسلمین اور امام کے خلاف بغاوت کرے جس پر جماعت حقہ متفق ہو چکی ہو۔

فرقہ شیعہ شیعہ فرقہ خوارج کی ضد ہے، خوارج نے حضرت علی رض کی تکفیر تک کی (نعوذ باللہ) شیعہ فرقہ نے حضرت علی اور اہل بیت رض کی محبت میں غلو کیا، شیخین پر حضرت علی رض کی فضیلت کے قائل ہوئے۔ امامت کا عقیدہ ان کے یہاں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

فرقہ شیعہ کا ظہور حضرت عثمان رض کے عہد خلافت کے آخری دور میں ہوا، اس فرقہ کے وجود میں عبداللہ بن سبا یہودی منافق کی ریشہ دوانیوں کو بہت بڑا دخل ہے اس فرقہ کی بھی

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔ الملل والنحل للشہرستانی از ص ۶۵/۱ و اسلامی مذاہب از ص ۸۴، والفرق بین الفرق از ص ۲۶۳

بہت شاخیں پھوٹیں بقول علامہ شاطبی رحؒ فرقہ شیعہ کی اولاً تین شاخیں ہیں. غالی، زیدی، اما می غالیوں کی اٹھارہ قسمیں ہیں۔ فرقہ زیدیہ کی تین قسمیں، اور امامیہ کی ایک قسم ہے[1]

بہر حال اس فرقے نے بھی اپنے نظریات کو سامنے رکھ کر قرآن کو ان کے مطابق ڈھالا ہے بلکہ ان میں بعض فرقے قرآن میں تحریف کے قائل ہیں۔ (نعوذ باللہ) ؎

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

سب اہل ضلال اور ہوا پرستوں کا یہی حال ہے۔

اس فرقے سے متعلق مزید تفصیلات مطولات میں دیکھئے۔ فرقہ شیعہ حضرت معاویہ رضؓ بلکہ تمام جلیل القدر صحابہ کرام کی طرف ہر طرح کی غلط باتیں منسوب کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔

فرقہ معتزلہ

اس فرقہ نے اموی دور میں بال و پر نکالے اور عباسی خلافت میں عرصہ دراز تک اسلامی فکر پر حاوی رہا۔ اس فرقہ کے وقت ظہور میں اختلاف ہے. ایک گروہ کا خیال ہے کہ جب حضرت حسن امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے تو اصحاب علی کی ایک جماعت سیاست سے بالکل کنارہ کش ہوگئی اور اس کی سرگرمیاں صرف عقائد تک محدود ہو کر رہ گئیں۔

علماء کا دوسرا بڑا گروہ معتزلہ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ رئیس معتزلہ واصل بن عطاء تھے۔ یہ حسن بصری رحؒ کے حلقہ درس میں حاضر ہوا کرتے تھے. اس زمانہ میں یہ سوال زور وشور سے اٹھا اور اسی نے اذہان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا کہ کیا گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ہے یا نہیں؟

حضرت حسن بصری کی مخالفت کرتے ہوئے واصل نے کہا:-

"میں کہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب علی الاطلاق مسلمان نہیں ہے بلکہ وہ کفر و ایمان کی درمیانی منزل میں ہے"۔

اس اختلاف کے بعد واصل نے حضرت حسن بصری کے حلقہ سے علیحدگی اختیار کر لی

---

[1] ملاحظہ ہو الاعتصام للشاطبیؒ ج۲ از ص۱۶۷ تا ص۱۹۶۔

اور اسی مسجد میں ایک علیٰحدہ حلقہ قائم کر کے بیٹھ گئے۔

بایں وجہ اس فرقہ کو معتزلہ کہا جاتا ہے۔

یہ اپنے آپ کو اصحاب عدل و توحید بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا کو عدل وانصاف کرنا ضروری ہے۔ اور اطاعت گزار بندے کو ثواب نیز گناہ گار بندے کو سزا دینا اللہ کے لیے ضروری ہے اور اللہ کی صفات قدیمہ کا بھی یہ فرقہ منکر ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں ــــ کہ

شارع اسی چیز کو اچھی کہتا ہے جو فی نفسہٖ اچھی تھی۔ اور اسی چیز کو بری کہتا ہے جو پہلے سے بری تھی۔ ان کا بنیادی اصول یہ ہے کہ نقل پر عقل کو ترجیح دی جائے گی۔[1]

دراصل، خوش فہمی، ہوا پرستی اور عقلیت پسندی قدر مشترک معتزلہ، خوارج اور شیعہ سبھی میں پائی جاتی ہے۔ صحابہ کرام کے ذریعہ منقول ہونے والی تفسیر قرآنی کو چھوڑ کر آیات کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالنا نمایاں طور پر ان میں پایا جاتا ہے۔

شیعوں کی غذا ہی صحابہ کرام کو مطعون کرنا ہے، اور خوارج کا نعرہ زرق و برق الفاظ کے ساتھ یہی تھا کہ حکومت صرف خدا ہی کی ہے۔ حضرت علی رض نے فرمایا کہ بظاہر تو نعرہ ٹھیک ہے لیکن اس کے پس پردہ سازش ہے۔

مودودیت اور گمراہ فرقے

اب ذرا مودودی لٹریچر پر نظر ڈالیں۔

قرآن وحدیث کی تشریح میں مودودی صاحب نے عقل کو نقل پر جگہ جگہ ترجیح دی ہے۔ پہلے اپنا نصب العین اور نظریہ متعین کیا ہے۔ پھر آیات سے زبردستی اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اولیں درجہ حکومت الٰہیہ کے قیام کو حاصل ہے۔

مودودی صاحب کی کتاب "اسلام کی چار بنیادی اصطلاحیں" ذرا کھولیں جو انکی اپنی تحریک کیلیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اور جو اپنے منصوبہ "حکومت الٰہیہ کا قیام" کے تحت عوام کی ذہن سازی کے لیے تفہیم القرآن کی تصنیف سے پہلے لکھی تھی اس میں تو الفاظ کی ایسی تشریح ہے کہ

---

[1] ملاحظہ ہو: اسلامی مذاہب ص۱۷۳، شرح العقائد ص۵، علم الکلام ص۲۲۔

بقول مودودی صاحب ان کی اس تشریح کے بغیر قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم پردہ خفا میں رہی۔ گویا علماء امت بھی پتہ نہ لگا سکے یا ان صدیوں میں ملت اسلامیہ ایسی شخصیتوں سے بانجھ رہی چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں :

"پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں (الٰہ، رب، عبادت، دین) کے مفہوم پر پردہ پڑجانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اسکی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی "۔[1]

فیاللعجب ،۔ یہ خوش فہمی اور عقل پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔ دوسرے فرقوں کی طرح قرآنِ پاک میں رائے زنی کی ہے۔ اس طرح مودودیت کے ڈانڈے معتزلہ اور خوارج سے مل جاتے ہیں اور مودودیت میں شیعیت کی جھلک دیکھنی ہو تو خلافت و ملوکیت کو پڑھ لو۔ جس میں مودودی صاحب نے حضرت عثمان غنی رضؓ اور حضرت معاویہؓ کی شخصیت کو مجروح کرنے والی روایات کو خوب اچھالا گیا ہے۔ بلکہ حضرت معاویہ رضؓ پر خیانت وغیرہ کے الزامات بھی لگائے ہیں۔ اس کتاب کے وجود میں آنے پر شیعوں نے خوب بغلیں بجائیں کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں ——— بہر حال مودودیت، خارجیت، شیعیت اور اعتزال کا مسموم معجون مرکب ہے۔

خلاصہ مودودیت مودودیت (جماعت اسلامی) کیا چیز ہے۔ جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے دین کی جو تفہیم و تشریح کی ہے اس کو علماء راسخین نے [نیا اسلام] نام دیا ہے۔ عام طور پر لوگ علماء کرام کی اس بات کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے اس لیے گذارش ہے کہ جس طرح ہر وسیع معاملہ کے لیے ایک " محوری نقطہ " ہوتا ہے جس کے ارد گرد تمام تفصیلات گھومتی ہیں اسی طرح دین اسلام کا بھی ایک " مرکزی نقطہ ہے " جو اس کے تمام اعمال میں ملحوظ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مرکزی نقطہ کیا ہے ؟

قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص سے صاف طور پر یہ بات ثابت ہے کہ تمام دینی معاملات کا محور " رضائے خداوندی ہے "۔

---

[1] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص۶ ۔

مگر مودودی صاحب کے نزدیک دین اسلام اعمال شریعت کا "قطب الرحیٰ" [چکی کا کیلا یعنی محور اور بنیادی وجہ] "اقامت دین" اور "حکومت الٰہیہ" ہے۔ جو چیز دین کی ایک شاخ تھی مودودی صاحب نے اس کو دین کی بنیاد بنا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام اعمال شریعت کا محور بجائے رضائے الٰہی کے "سیاست" ہوگیا۔ چنانچہ نماز کی غایت ان کے نزدیک "فوجی ٹریننگ" [1] زکوٰۃ کا مقصد "محاصلات" [REVENUE] روزے کی علت "فوجی جفاکشی کی مشق" حج کا روحانی اجتماع "انٹرنیشنل کانفرنس" اور ارکان اربعہ کا مجموعہ "ٹریننگ کورس" ہوگیا۔ اور تمام وہ مومنین بلکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، جن کے لیے اقامت دین اور حکومت الٰہیہ مقدر نہیں تھی، مودودی صاحب کو ایک "ناکام انسان" اور "ناکام پیغمبر" نظر آنے لگے۔ اسی کا نام ہے۔ "مودودی صاحب کا نیا اسلام" [2]

اب میں آپ کو جماعت کے بانی ــــ جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے ملاتا ہوں ــــ اسی کے ضمن میں مودودیت کے آغاز اور اس کے عقیدے اور دیگر امور پر کلام کیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالےٰ۔

سوانحی خاکہ

مودودی صاحب کا نام ابوالاعلےٰ ہے ابوالاعلےٰ مودودی صاحب کی پیدائش ۱۳۲۱ھ مطابق ۲۵ رستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد [مہاراشٹر] میں ہوئی، والد کا نام سید احمد حسن مودودی تھا۔ مودودی صاحب کا ابوالاعلےٰ اصلی نام ہے کنیت نہیں ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب خود لکھتے ہیں کہ:۔

ابوالاعلےٰ نام رکھنے کی وجہ

ابوالاعلےٰ کوئی لقب نہیں ہے جسے میں نے خود اختیار کیا ہو بلکہ یہ میرا نام ہے جو والد محترم نے پیدائش کے وقت رکھا تھا۔ میرے خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو سکندر لودھی کے عہد میں ہندوستان آئے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے مودودی صاحب کی کتاب "اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر" ص۱۲۔

[2] مودودی صاحب کا اصل چہرہ ص۲۸۵،۸۶ تاثرات حضرت مولانا مفتی محمد سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ

تھے۔ ان کا یہی نام تھا۔ اور میرے والد مرحوم نے تبرکاً ان کے نام پر میرا نام رکھا تھا۔[۱]

پروفیسر عمر حیات خان غوری کا کہنا ہے کہ مولانا کی پیدائش سے ۳ سال قبل ان کے والد کو بھی ایک بزرگ نے پیشین گوئی سنائی تھی اور کہا تھا کہ اس بچہ کا نام ابوالاعلےٰ رکھنا۔ والد کی خواہش تھی کہ آپ کو مولوی بنائیں چنانچہ تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا۔ اور فارسی، عربی، فقہ اور حدیث کی تعلیم شروع کر دی۔ فاضل اوقات میں اپنے ساتھ رکھتے، اپنے احباب میں لیجاتے راتوں کو انبیاء کے قصے، بزرگان دین کے حالات اور اسلامی تاریخ کی کہانیاں سناتے تھے[۲]

خاندان مودودی صاحب جس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی ہروی (متوفی ۵۲۷ھ) ہیں جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے دادا پیر تھے۔

تحقیق مزید چشتی نسبت ہے چشت کی طرف۔ چشت: خراسان میں ایک شہر ہے یہ اصلاح و تربیت کا مرکز رہا ہے اس نسبت سے چشتی سلسلہ کہا جانے لگا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

خواجہ مودود چشتی اس سلسلہ کے تیرھویں بزرگ ہیں اور خواجہ معین الدین چشتی سولہویں بزرگ ہیں۔ خواجہ معین الدین رح کے شیخ خواجہ عثمان ہرونی اور ان کے شیخ خواجہ حاجی شریف زندانی اور ان کے شیخ خواجہ قطب الدین چشتی ہیں جن کو مودود کہا جاتا ہے[۳]

مودود کی لغوی تحلیل لفظ مودود کے معنی ہیں پسندیدہ شئی، جس سے محبت کی جائے یہ عربی قواعد کی رو سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور وُدّ وِدّا و وِداداً (ان دونوں کلموں میں واو پر زبر، زیر، پیش تینوں حرکات پڑھ سکتے ہیں) اور مودّۃ سے بنا ہے، مگر یہاں ایک شخصیت کا نام ہے۔

۱۔ مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی رح ۱۷ ص ۱۷۵۔

۲۔ اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ ص ۴۱۔

۳۔ تفصیل کے لیے دیکھئے "تاریخ مشائخ چشت" پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۳۵ تا ص ۱۴۰۔

وطن

مودودی صاحب کے والد سید احمد حسن مودودی اورنگ آباد میں وکالت کا پیشہ کرتے تھے اسی زمانہ میں مودودی صاحب نے وہاں جنم لیا ورنہ اصلاً دہلی کے تھے حتیٰ کہ ددھیال ننھیال بلکہ سسرال بھی دہلی کی تھی۔ چنانچہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ، میری ددھیال ننھیال سسرال سب دلی کی ہے۔ میرے رشتہ داروں تک میں کوئی دیہاتی ، قصباتی نہیں [۱]

سرسیّد سے قرابت

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے بانی سرسید احمد خان سے بھی مودودی صاحب کی قرابت ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ سرسید احمد خان ایک قریبی رشتہ سے میری دادی صاحبہ کے بھائی ہوتے تھے۔ میرے والد ان کے بھانجے تھے [۲]

بچپن

بچپن کے سلسلہ میں مودودی صاحب کی کہانی خود ان کی زبانی سنئے ،

"میرا بچپن ریاست حیدر آباد کے مشہور شہر اورنگ آباد میں گذرا ہے میرا خاندان تو دہلی کا تھا لیکن میرے والد مرحوم دہلی سے اورنگ آباد چلے گئے تھے اس وجہ سے میری زندگی کے ابتدائی ۱۳ یا ۱۴ سال اورنگ آباد ہی میں بسر ہوئے"

بچپن کی عجیب یادیں

کہتے ہیں کہ ، مجھے اپنی چھوٹی عمر کی باتیں بھی اب تک یاد ہیں مجھے وہ اپنی حیرت اب تک یاد ہے جو مجھے پہلی مرتبہ یہ سن کر ہوئی تھی کہ ابا کے ابا کو دادا اور ابا کی اماں کو دادی کہتے ہیں۔ میرا دل کسی طرح یہ یقین کرنے کو تیار نہ تھا کہ ابا بھی کسی کے بیٹے ہو سکتے ہیں اور نہ میں یہ تصور کر سکتا تھا کہ میرے والد بھی میری طرح بچے ہوں گے۔ اس نئی معلومات پر بہت دنوں تک غور کرتا رہا اور یہ بات بڑی تحقیق کے بعد میری سمجھ میں آئی کہ جتنے لوگ اب بڑے بوڑھے ہیں یہ سب بھی بچے تھے اور ان کے بھی کوئی ماں باپ تھے۔

اس سے بھی چھوٹی عمر کا ایک اور خیال مجھے اب تک یاد ہے۔ میں ابا اماں کے کوئی معنی

---

[۱] مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی ص ۱۹۱/۱ ۔

[۲] " " ص ۳۲۹/۲ ۔

نہیں جانتا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور میں ان کے پاس کیسے آگیا ہوں البتہ میں یہ ضرور محسوس کرتا تھا کہ یہ ہیں بڑے اچھے لوگ والد کو دنیا میں سب سے اچھا آدمی اور والدہ کو سب سے اچھی عورت سمجھتا تھا۔

تعلیم

میرے والد مرحوم نے میری ابتدائی تعلیم کا انتظام گھر پر کیا تھا۔ غالباً وہ میری زبان کی حفاظت کے لیے اور مجھ کو بری صحبتوں سے بچانے کے لیے مدرسے بھیجنا نہیں چاہتے تھے گھر کی اس تعلیم میں مجھ کو بہت سے استاذوں سے سابقہ پیش آیا۔

تعلیم کا اثر

بعض استاد ایسے تھے جنھوں نے مجھے کند ذہن بنانے کی کوشش کی اور ان کے اثر سے مجھے خود اپنے اوپر شک ہونے لگا کہ شاید میں کچھ پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بعض استاذوں نے مجھے اس سے زیادہ پڑھانے کی کوشش کی جتنا میں اپنی عمر کے لحاظ سے پڑھ سکتا تھا، البتہ بعض استاذوں نے مجھے اچھی تعلیم دی۔ پانچ چھ سال کی اس تعلیم میں مجھ کو اتنا علم حاصل ہو گیا۔ جتنا دوسرے بچوں کو آٹھ سال میں ہوتا ہے بلکہ جب مجھ کو گیارہ سال کی عمر میں آٹھویں جماعت میں داخل کیا گیا۔ تو اکثر مضمونوں میں میری معلومات اپنے ہم جماعتوں سے زیادہ تھیں۔ حالانکہ میں اپنی آٹھویں کلاس میں سب سے چھوٹی عمر کا طالبعلم تھا۔

ابتدائی تعلیم کی ترتیب

مودودی صاحب کے نزدیک بچہ کی بسم اللہ قاعدہ بغدادی سے کرانا اور ابتداءً قرآن پاک پڑھانا مسلمانوں کی غلطی ہے بلکہ پہلے اردو پڑھایا جائے تاکہ قرآن کا ترجمہ سمجھ سکے۔ یہ غلطی ان کے گھر والوں نے بھی کی جس کو مودودی صاحب یوں بیان کرتے ہیں، کہ

> "میری ابتدائی تعلیم میں ایک خرابی ایسی تھی جس کو بعد میں میں نے بُری طرح محسوس کیا وہ خرابی یہ تھی کہ عام دستور کے مطابق مجھے بھی سب سے پہلے بغدادی قاعدہ پڑھا کر قرآن مجید پڑھوایا گیا۔ یہ غلطی عام طور پر مسلمان اس زمانہ میں بھی کرتے ہیں اور آج تک کیے جا رہے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ بچہ دنیا کی ساری چیزیں تو سمجھ کر پڑھتا ہے مگر صرف قرآن ہی کے متعلق وہ خیال کرتا ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے سمجھنے کی ضرورت نہیں بس اس کے الفاظ پڑھ لینے کافی ہیں۔

اس غلط طریقہ کی وجہ سے مجھے بے سمجھے قرآن پڑھنے کی ایسی عادت پڑی کہ آگے چل کر جب میں نے عربی زبان پڑھ لی اس وقت بھی برسوں تک قرآن کو بغیر سمجھے پڑھتا رہا۔ ۲۱ برس کی عمر میں مجھے پہلی دفعہ اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اور میں نے قرآن کو سمجھنے کی کوشش شروع کی۔ میں چاہتا ہوں کہ اب مسلمان بچوں کو اس غلطی سے بچایا جائے۔ جب وہ کم از کم اتنی اردو پڑھ لیں کہ قرآن کا ترجمہ ساتھ ساتھ پڑھ سکیں"۔[1]

ترک تعلیم

کچھ مجبوریوں کے باعث مودودی صاحب کا سلسلۂ تعلیم زیادہ آگے نہ بڑھ سکا بلکہ عمر کی بارہویں منزل میں تھے کہ سلسلۂ تعلیم منقطع کرنا پڑا۔

ان ہی کی جماعت کے ایک ترجمان ڈاکٹر سید انور علی نے قدرے تفصیل سے یوں بیان کیا ہے، ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر پر ہی ہوا۔ پھر ان کے استاذ مولوی ندیم اللہ حسینی کے مشورے سے انہیں مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد کی جماعت رشدیہ [مڈل] میں داخل کر دیا گیا۔ ۱۹۱۴ء میں مولوی کا امتحان سکنڈ کلاس میں پاس کیا۔ کیوں کہ ریاضی میں بہت کمزور تھے۔ اس کے بعد حیدرآباد میں مولوی، عالم کے کلاس میں داخلہ لیا۔ لیکن چند ماہ بعد سلسلۂ تعلیم کو اس وجہ سے خیر باد کہنا پڑا، کہ والد پر فالج کا سخت حملہ ہوا تھا۔ فوراً ہی اورنگ آباد سے بھوپال جانا پڑا۔[2]

تنبیہ

مولوی کا امتحان جو مودودی صاحب نے پاس کیا ہے یہ وہ اصطلاحی روایتی مولوی نہیں ہے جس نے باقاعدہ صحاح ستہ وغیرہ احادیث پڑھی ہوں بلکہ خود موصوف کے اس سلسلہ میں یہ الفاظ ہیں حیدرآباد میں اس وقت جو نظام تعلیم رائج تھا اس میں "رشدیہ" مڈل کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد نویں دسویں جماعت کا نام مولوی تھا جو میٹرک کے مساوی تھا اس میں مدرسہ یونیورسٹی کے میٹرک کے تمام مضامین اردو میں پڑھائے جاتے تھے اور اس کے علاوہ عربی ادب کی تعلیم دی جاتی تھی اور فقہ و حدیث اور منطق

---

[1] مولانا مودودی سے ملیے خلاصہ از ص۱۸ تا ص۳۵؛ [2] ردفتنۂ مودودیت ص۲۳-۲۴۔

عربی میں پڑھائی جاتی تھی [1]

مودودی صاحب اور انگریزی زبان

خلیل احمد الحامدی کا بیان ہے کہ ۔۔۔ مودودی صاحب نے دہلی میں رہتے ہوئے ایک استاذ کے پاس انگریزی صرف چار ماہ میں پڑھی [2]

مودودی صاحب خود اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ؛

میں نے انگریزی ۱۵-۱۶ سال کی عمر میں سیکھ لی تھی ۔ اور بائیس سال کی عمر میں تو میں انگریزی کتابوں کا مطالعہ بڑی آسانی سے کرنے لگا تھا [3]

والد صاحب کی وفات

مودودی صاحب کے والد علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے وکالت کا پیشہ کرتے تھے بعد میں یہ پیشہ چھوڑ کر اورنگ آباد سے بھوپال چلے گئے تھے ۱۹۱۷ء میں ان کا وہاں انتقال ہوگیا ۔

نیاز سے تعلق

بھوپال میں نیاز فتح پوری ایڈیٹر "نگار" سے رفاقت رہی، جس کو مودودی صاحب اس طرح لکھتے ہیں ؛

"رعیت" میں جب نیاز صاحب کام کرتے تھے تو اس زمانے میں اس بنا پر کہ قیام بھوپال کے زمانے سے میرے اور ان کے تعلقات چلے آرہے تھے میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لیے کبھی کبھی چلا جاتا تھا ۔ [4]

نوٹ

معلوم ہو کہ نیاز ایک ملحد شخص تھا ۔ جنت اور دوزخ کا اس نے مذاق اڑایا ہے علماء کرام اس کے صریح کفر کی بنا پر اس کے خارج از اسلام ہونے پر متفق ہیں ۔ کچھ دنوں کے لیے تائب ہوگیا تھا لیکن پھر مرتد ہوگیا اور اپنے کفر پر ڈٹا رہا ۔ والعیاذ باللہ [5]

اخیر میں نیاز سے مودودی صاحب کی کچھ چپقلش ہوگئی تھی ۔ کیوں کہ مودودی صاحب نے

---

[1] مکاتیب ج ۲ ص ۳۴۹ ؛ [2] الامام ابوالاعلیٰ مودودی ص
[3] " ج ۲ ص ۳۵ ؛ [4] مکاتیب ج ۲ ص ۳۲۲
[5] خلاصہ "حاشیہ الاستاذ المودودی ص ۷ ۔

ان کو ایک کتاب کا ترجمہ اشاعت کے لیے دیا تھا نیاز نے اس کو اپنے نام سے چھاپ دیا۔ اور مودودی صاحب کو ترجمہ کا کوئی معاوضہ تک نہ دیا[۱]

مودودی صاحب کا مبلغ علم

علامہ محمد یوسف بنوری رح کی تصریح کے مطابق مودودی صاحب عربی یا انگریزی میں مضمون نگاری یا بولنے پر قادر نہیں تھے البتہ ہر دو زبان کے مبادیات پڑھے تھے اس لیے پڑھ لیا کرتے تھے۔ ہاں مطالعہ کیا، ذہانت تھی اسی سے کچھ آگے بڑھے ان کے نام سے جو تصانیف انگریزی زبان میں ملتی ہیں وہ دوسروں کے تراجم ہیں کہ مودودی صاحب کی بعض اردو تصانیف کو انگریزی کا جامہ پہنا دیا گیا۔ یہی حال عربی زبان کا ہے۔ ان کی جو عربی تصانیف ملتی ہیں ان سب کو مولانا مسعود عالم ندوی صاحب نے اردو سے عربی میں منتقل کیا ہے۔ آگے علامہ بنوری رح فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دمشق میں مودودی صاحب نے اپنا مقالہ اردو میں پیش کیا تو وہاں کے لوگوں نے مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ سے اس کو عربی میں منتقل کرنے کی درخواست کی[۲]

مودودی صاحب نے جدید و قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا تھا مگر اپنی بصیرت کی بنا پر کسی کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنے متعلق لکھتے ہیں:

مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔ میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید و قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے۔ اپنی بصیرت کی بناء پر نہ تو قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو[۳]

دینی مدارس مودودی صاحب کی نظر میں

دینی مدارس کی تعلیم مودودی صاحب کے نزدیک مذہبی نہیں ہے اور ان کے بقول اس سے فارغ ہونے والے علماء نہ تو دین کی ضروریات پوری کر سکے اور نہ ہی

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ مکاتیب ج ۲/ ص ۱۵-۳۱۴، [۲] خلاصہ از الاستاذ المودودی ص ۱۰-۱۱۔

[۳] فتاویٰ محمودیہ ج ۱/ ص ۳۶۶ بحوالہ ترجمان ج ۱۴/ عدد ۳/ ص ۲۲۷۔

زمانے کے موجودہ درپیش مسائل کا حل نکال سکے۔

مودودی صاحب کا تفصیلی بیان ملاحظہ ہو۔

پنجاب یونیورسٹی میں ایک طالب علم نے مودودی صاحب سے سوال کیا "ہماری مذہبی درسگاہوں کے رائج الوقت نظام تعلیم کے سلسلہ میں آپ کچھ فرمانا پسند کریں گے" مودودی صاحب بولے،
دراصل ان درسگاہوں کو مذہبی درسگاہیں کہنا غلط فہمی ہے ان درسگاہوں میں جو نظام تعلیم زیر عمل ہے وہ دراصل مذہبی نہیں بلکہ سول سروس کا نظام تھا جو قدیم دور میں مسلمان حکومتوں کی ضروریات کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ اس نظام تعلیم کی افادیت عملاً اسی دن ختم ہو گئی تھی جس دن انگریزی حکومت یہاں ہوئی چونکہ اس میں ہماری مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہت کچھ سامان موجود تھا۔ دوسرے ہم اپنی آبائی میراث سے بالکل منقطع ہونا نہیں چاہتے تھے اس لیے ہم نے اسے سینے سے لگالیا۔ اور باوجود کسی تغیر و تبدل کے بغیر اس کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام تعلیم کے مطابق تعلیم پانے والے عملی زندگی میں کوئی نمایاں حصہ نہ لے سکے اور وہ وقت کی زندگی اور اس کے مسائل سے نا آشنا رہ گئے سوائے اس کے کہ وہ مسجدیں سنبھال لیں یا وعظ گوئی کا پیشہ اختیار کرلیں۔ زمانے کا ساتھ نہ دے سکے قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ اس نظام کے تحت تعلیم پانے والوں کی طرف سے جب زمانے نے بے اعتنائی برتنی شروع کی تو انہوں نے نزاعی مسائل کو ابھارا تاکہ قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہوتی رہے اور اس طرح یہ لوگ نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی کر سکے اور نہ موجودہ زندگی کے مسائل پر اسلامی اصولوں کو منطبق کر سکے۔

جیسا کہ قبل ازیں عرض کر چکا ہوں کہ یہ نظام تعلیم جسے ہم دینی نظام تعلیم سمجھے ہوئے ہیں اور جس سے مذہبی پیشوا اور علمائے دین تیار کرنے کا کام لیا جا رہا ہے، دراصل آج سے دوڈھائی سو برس پہلے کی سول سروس کی تعلیم ہے جس میں زیادہ تر اس وجہ سے دینی تعلیم کا جوڑ لگایا گیا تھا کہ اس وقت ملک کا قانون اسلامی فقہ تھی اور اسے نافذ کرنے والوں کے لیے اس کا جاننا ضروری تھا اور آج ہم اسے غنیمت سمجھ کر اس کو اپنی دینی تعلیم سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو دین کی ضروریات پوری کر سکے اور نہ ہی زمانے کے موجودہ درپیش مسائل کا حل ہے
(تصریحات سید ابوالاعلیٰ مودودی ص۵۲،۵۳)

تلاش معاش

مودودی صاحب نے جب اپنے پیروں پر کھڑے ہونا چاہا اور معاشی استقلال کی ضرورت محسوس کی تو چوں کہ تحریر وانشاء کا ملکہ تھا۔ اس لیے مودودی صاحب نے قلم کو ذریعہ معاش بنایا اور مختلف اخباروں میں کام کیا، اور لکھا۔ مودودی صاحب کا بیان ہے "ڈیڑھ سال کے تجربہ نے یہ سبق دیا کہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کیلئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ضروری ہے اور معاشی استقلال کے لیے جدوجہد کے بغیر چارہ کار نہیں۔ فطرت نے تحریر وانشا کا ملکہ ودیعت فرمایا تھا، عام مطالعہ سے اس کو اور تحریک ہوئی اسی زمانے میں جناب نیاز فتحپوری سے دوستانہ تعلقات ہوئے اور ان کی صحبت بھی وجہِ تحریک بنی۔ غرض ان تمام وجوہ سے یہ فیصلہ کیا کہ قلم ہی کو وسیلہ معاش قرار دینا چاہیئے۔[1]

چنانچہ ۱۹۱۸ء میں اخبار "مدینہ" بجنور میں کام شروع کیا لیکن چند ماہ بعد دہلی چلے گئے اور پھر چند ماہ کے بعد جبل پور منتقل ہوگئے وہاں سے اخبار "تاج" نکالا ——— ۱۹۲۰ء کے اخیر میں مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند اور مولانا احمد سعید صاحب نے جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے اخبار "مسلم" نکالا اور انہیں ایڈیٹر مقرر کیا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ تنہا ایڈیٹری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

اخبار الجمعیۃ کی ایڈیٹری

۲۲ء میں مسلم اخبار بند ہوگیا مگر جمعیۃ العلماء ہند نے ۱۹۲۴ء میں الجمعیۃ جاری کیا اس کا ایڈیٹر بھی مودودی صاحب کو بنایا گیا۔ ۱۹۲۸ء کے اختتام تک مودودی صاحب تن تنہا اس کے ایڈیٹر رہے۔

رسالہ "مولوی" میں بھی مودودی صاحب نے کچھ لکھا ہے جس کی تفصیل ایک مکتوب کے جواب میں یوں لکھتے ہیں: ——— "مولوی کے شذرات بہت کم لکھے ہیں۔ دراصل میں ۱۹۲۲ء و ۱۹۲۳ء میں اخبار "مسلم" کا ایڈیٹر تھا جسے مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید نے جمعیۃ علمائے ہند کے آرگن کی حیثیت سے نکلوایا تھا۔ اس پر منشی عبدالحمید صاحب

---

[1] الاستاذ المودودی ص۷ بحوالہ مولانا مودودی ص۲۷۔

کا نام بطور ایڈیٹر درج ہوتا تھا۔ لیکن ایڈیٹوریل کالم سارے میرے لکھے ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں چوں کہ منشی عبدالحمید صاحب سے میرے اچھے تعلقات قائم ہو گئے تھے اس لیے کبھی کبھی انہوں نے مولوی کے لیے بھی مجھ سے شذرات لکھوائے تھے لیکن میرا اصل کام "مسلم" کے لیے ایڈیٹوریل لکھنا تھا۔ بعد میں ۱۹۲۴ء کے آخر سے "الجمعیتہ" نکلنا شروع ہوا اور چوں کہ مفتی صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب کو میرے اوپر بہت اعتماد تھا اس لیے اس کی ایڈیٹری بھی انہوں نے میرے سپرد کی۔ اگرچہ ابتدا میں کچھ مدت تک مولانا محمد عرفان صاحب کا نام بطور ایڈیٹر لکھا جاتا رہا۔ لیکن اوّل روز سے دسمبر ۱۹۲۶ء تک میں ہی اس کا ایڈیٹر رہا[1]

بہرحال قلمی تراش خراش پر مودودی صاحب کو خاص دسترس حاصل تھی۔ مودودی صاحب ۱۹۲۸ء کے آخر میں دہلی سے صحافت چھوڑ کر حیدر آباد (دکن) منتقل ہو گئے۔ اس دوران بھوپال وغیرہ کا بھی سفر ہوا۔

ماہنامہ ترجمان القرآن

اسی زمانہ میں حیدر آباد میں ایک تنظیم "مجلس تحریک قرآن مجید" قائم ہوئی تھی جس نے ایک رسالہ ترجمان القرآن کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر مولانا ابو محمد صاحب مصلح تھے آپ نے کل چھ ماہ پرچہ کی ادارت سنبھالنے کے بعد اسے ــــــــ ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے سپرد کیا اور ۱۹۳۳ء مطابق ۱۳۵۲ھ سے ترجمان القرآن مودودی صاحب کی ادارت میں نکلنے لگا۔

ترجمان القرآن ۱۹۳۵ء تک خالص دینی اور علمی رسالہ تھا جس میں ملک کی سیاسی تحریکات اور پولیٹکل معاملات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا تھا۔ برطانوی حکومت جو اس وقت دنیا کی "طاغوتی حکومت" تھی اور ہندوستان پر نیز عالم اسلام کے بہت بڑے حصہ پر براہِ راست یا بالواسطہ مسلط تھی اس کے خلاف بھی کبھی کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا "حکومت الٰہیہ، اقامت دین" اسلامی نظام یا ان کے مقاصد کے لیے کسی جماعت کی تنظیم و تشکیل کا بھی کوئی ذکر اس کے صفحات میں نہیں ہوتا تھا۔ یہ سب چیزیں اس دور میں اس کے دائرہ بحث سے بالکل خارج تھیں۔ جب کہ ملک کی آزادی

---

[1] مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی ص ۳۲۲-۳۲۳ ۔ ۲۷

کا قضیہ چل رہا تھا۔

ترجمان القرآن میں سیاسی مضامین کا آغاز

"ترجمان القرآن" کے اجراء کے چوتھے سال ۱۹۳۶ء میں

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی بنیاد پر ہندوستان میں پہلا جنرل الیکشن ہوا۔ اس دور میں جداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج تھا۔ مسلمان نمائندوں کو مسلمان ہی منتخب کرتے تھے اور ہندو نمائندہ کو صرف ہندو ۔ اس الیکشن کے نتیجہ میں ملک کے سات صوبوں میں کانگریس کو قطعی اکثریت حاصل ہوگئی۔ اور ان صوبوں میں بلا شرکت غیر کانگریس گورنمنٹیں قائم ہوگئیں۔

اس ۱۹۳۶ء کے الیکشن کے بعد مودودی صاحب نے ملک کی سیاست پر اپنے ترجمان میں لکھنا شروع کیا۔[1]

مودودی صاحب کا ابتدائی تصنیفی کارنامہ

تاسیس جماعت سے روشناس ہونے سے قبل مودودی صاحب کی ابتدائی تصنیفات

کا تعارف ملاحظہ ہو۔ یوں تو سید اسعد گیلانی نے مودودی صاحب کی اخیر عمر میں لکھا تھا کہ اب تک مودودی صاحب کی ۳۷ سے زائد تصانیف ہیں[2]

۱۔ مودودی صاحب کے تصنیفی کارناموں میں سب سے پہلی کتاب "الجہاد فی الاسلام" ہے۔ مودودی صاحب دہلی میں رہ کر "الجمعیت" کی ادارت سنبھالے ہوئے تھے کہ دسمبر ۱۹۲۶ء میں شدھی تحریک کے بانی سوامی شردھانند کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا اس قتل کی ذمہ داری امت مسلمہ اور اسلام کی تعلیمات پر ڈالی جانے لگی بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ دنیا میں جب تک قرآن کی تعلیم موجود ہے امن قایم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے تمام عالم انسانی کو اس تعلیم کو مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ مہاتما گاندھی بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انھوں نے کہہ دیا۔

---

[1] رسالہ ترجمان القرآن کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو" مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت۔

[2] مولانا مودودی سے ملیے ص۱۷۳۔

"اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے" [1]

اس صورت حال نے مسلمان لیڈروں کو سراسیمہ کر دیا۔ اس کے بعد سے مودودی صاحب نے اخبار "الجمعیت" میں سلسلہ مضامین شروع کر دیا جس کی ۲۳، ۲۴ قسطیں شائع کرنے کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اور بعد کو انہیں مکمل کر کے ۵ ار جون ۱۹۲۷ء کو "الجہاد فی الاسلام" کے نام سے شائع کر دیا۔ مودودی صاحب کی یہ کتاب چھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں سات ابواب ہیں اس کتاب میں مودودی صاحب نے بڑے شرح و بسط سے جہاد کے موضوع پر بحث کی ہے۔

۱۲۔ حیدر آباد ہی کے دوران قیام مولانا مودودی نے ایک مختصر کتاب "رسالہ دینیات" کے نام سے لکھی جو پہلی بار ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی۔

اس کتاب کو مودودی صاحب نے سات ابواب میں منقسم کیا ہے جن کے عنوانات اسلام، ایمان، اطاعت، نبوت، ایمان مفصل، عبادات، دین اور شریعت کے احکام ہیں

۱۳۔ ۱۹۳۴ء میں ایک کتاب وجود میں آئی جس میں اشتراکیت کی حمایت تھی مودودی صاحب نے "مسئلہ ملکیت زمین" کتاب لکھ کر اشتراکیت کی تردید کی۔

۱۴۔ ضبط ولادت ؛ اس کتاب میں مودودی صاحب نے خاندانی منصوبہ بندی، دیگر اقوام کے نظریات اور اس سلسلہ میں اصول اسلام سے بحث کی ہے۔

۱۵۔ ۱۹۳۵ء میں پردہ کے مسئلہ پر مضامین لکھے، بعد میں کتابی شکل میں "پردہ" منظر عام پر آئی۔ اس میں بے پردگی اور مغربی معاشرہ کا پورا پورا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے برے انجام سے بھی واقف کرایا ہے ——— اور پردے کے احکام بھی بیان کئے ہیں۔ مودودی صاحب کی یہ تصنیف ۳۰۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور ۱۱ ابواب پر منقسم ہے۔

---

[1] دیکھئے دیباچہ طبع اول "الجہاد فی الاسلام"، ۱۷ ھ۔

نوٹ پردے کے سلسلہ میں ذرا بانی جماعت مودودی صاحب کے گھر کا حال بھی دیکھ لیں، مودودی صاحب نے اپنی تحریک کے پیش خیمہ کے طور پر پنجاب میں پٹھان کوٹ کے قریب ایک دارالاسلام نامی بستی بسائی۔ اور ادارہ دارالاسلام قائم کیا۔ چند ابتدائی رفقاء کار بھی وہاں اکٹھا ہوئے۔ جن میں حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب بھی تھے۔ آں موصوف کا بیان ہے۔

میرے قیام پر دو چار ہی دن گزرے تھے کہ غالباً کسی رفیق جماعت کے ذریعہ میرے علم میں یہ بات آئی کہ مولانا کا باورچی (جو جوان العمر تھا) زنان خانہ میں کھانا پکاتا ہے اور اس سے پردہ نہیں ہے اور یہ کہ دارالاسلام کے مقیم رفقاء پر اس کا برا اثر پڑ رہا ہے۔ پہلے تو میرا دل ودماغ اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ میں سوچتا تھا کہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے (مولانا کی کتاب "پردہ" اس سے بہت پہلے شائع ہو چکی تھی) لیکن بالآخر معلوم ہو گیا کہ واقعہ یہی ہے اس واقعہ کے علم نے مجھے ہلا کے اور جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہوگی کہ اب تک جس ماحول میں میری زندگی گزری تھی اس میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کسی بھی درجہ کے تقوے اور دیندارانہ زندگی کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے ____ جماعت کے دستور میں "صف اول" کے ارکان کے بارے میں لکھا ہوا تھا،

ان لوگوں کے لیے احکام شرعیہ کی پابندی کے معاملہ میں کوئی رعایت نہ ہوگی ان کو مسلمانوں کی زندگی کا پورا نمونہ پیش کرنا ہوگا اور ان کے لیے رخصت کے بجائے عزیمت کا طریقہ ہی قانون ہوگا۔

مولانا نعمانی صاحب آگے لکھتے ہیں،

میں نے مولانا (مودودی) سے عرض کیا کہ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ کھانا پکانے کیلئے باورچی کی ضرورت ہے لیکن یہ تو ضروری نہیں ہے کہ وہ زنانخانہ ہی میں پکائے اور گھر میں اس سے پردہ نہ کیا جائے۔ وہ مکان کے باہری حصہ میں پکا سکتا ہے ____ مولانا نے یہ تو تسلیم فرمایا کہ منکر ہے لیکن عذر یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ چور ہوتے ہیں اس لیے مجبوراً گھر میں آنکھوں کے سامنے پکوانا پڑتا ہے ____ میں نے عرض کیا کہ یا تو چوری کا تھوڑا سا نقصان برداشت کیا جائے یا پھر ایسا کیا جاوے کہ بجائے موجودہ باورچی کے (جس کا نام غالباً اسماعیل تھا) نذیر سے کام لیا جائے اس کے بارے میں چوری یا خیانت کا شبہ نہیں ہو سکتا (یہ

نذیر غالباً ریاست کپورتھلہ کا ایک نوجوان تھا۔ ناتعلیم یافتہ یا بہت کم تعلیم یافتہ تھا، بہت نیک اور صالح تھا۔ جماعت سے تعلق تھا اور اسی لیے دار الاسلام آگیا تھا۔ ہم لوگوں کا کھانا وہی پکاتا تھا۔ تو اس نذیر کے بارے میں میں نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ کھانا پکانے کیلئے بجائے اسمٰعیل کے نذیر کو ملازم رکھ لیجئے۔ اسماعیل ہم لوگوں کا کھانا پکایا کرے گا ــــــــــــ مولانا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نذیر سے کھانا پکانا نہیں آتا۔ اس سے کام نہیں چل سکتا
(یہ واقعہ ہے کہ بیچارہ نذیر بہت اچھا کھانا پکانا نہیں جانتا تھا)۔

مولانا کے ساتھ اس گفتگو کا مجھ پر جو اثر پڑنا چاہیئے تھا وہی پڑا اور یہ گفتگو ہی "اونٹ کی کمر کا آخری تنکا" ہو گئی[1] یہ مودودی صاحب کی مداہنت نہیں تو اور کیا ہے ؎

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے

بہر حال مودودی صاحب نے بعض دیگر موضوعات مثلاً سود اور حقوق زوجین وغیرہ پر بھی لکھا ہے۔

ملکی حالات اور مودودی صاحب کے ذہن پر اس کے اثرات:۔

مودودی صاحب کی تحریک اور جماعت کی تاسیس سے آشنا ہونے سے قبل اس وقت کے ملکی ماحول پر ہم مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔

مودودی صاحب کی تحریک اور جماعت سے آشنا ہونے سے قبل ۱۹۳۶ء سے مودودی صاحب کے ذہن پر سیاسی اثر پڑھنے لگا۔ رسالہ ترجمان القرآن کے صفحات جس کے شاہد ہیں۔ مسلمان اور سیاسی کشمکش کے عنوان سے بھی قسطوار لکھنا شروع کیا جو بعد میں تین جلدوں میں شائع ہوا۔
دراصل ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس کی ناکامی نے نیز بیسویں صدی کے ربع اول میں ترک موالات اور خلافت کی تحریک نے انگریزی حکومت اور انگریز کے خلاف نفرت پیدا کردی

---

[1] میری رفاقت کی سرگزشت از ص۵۲ تا ص۵۹ (از حاشیہ)

تھی جو مغربی تہذیب کی اس ملک میں علمبردار تھی اس نے تحریک بھی مسلمانوں کو فکری ارتداد سے کافی حد تک روکا پھر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اس سے بھی اندازہ لگ رہا تھا کہ دنیا اور اس کے نقشوں میں تبدیلیاں لائے گی۔ چنانچہ لوگ —— اپنے اپنے طور پر ملت کی خدمت کر رہے تھے اور ہر ایک کا اپنا نصب العین تھا۔ مودودی صاحب نے بھی اپنے ترجمان القرآن میں مضامین مسلسل ہندوستانی تحریکات اور مسلمانوں کے نصب العین کے متعلق لکھے۔

چنانچہ ایک جگہ خود لکھتے ہیں،

مارچ ۱۹۳۷ء میں جب میں دہلی گیا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سیاسی حالات کے تغیر سے مسلمانوں پر کیا اثرات مرتب ہو رہے رہیں تو میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جس قدر بھی طاقت خدا نے مجھے دی ہے اس کو اس انقلاب کے مقابلہ میں صرف کروں۔ چنانچہ میں نے دہلی سے حیدرآباد پہنچتے ہی اس نئی مہم کی ابتدا ترجمان القرآن کے مضامین (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش) سے کر دی۔[1]

ان مضامین کی آخری قسطوں سے معلوم ہوا کہ مودودی صاحب اب کوئی جماعت اپنے نصب العین (حکومت الٰہیہ کے قیام) کے لیے بنانا چاہتے ہیں۔

دارالاسلام کا قیام

مودودی صاحب ۸ / مارچ ۱۹۳۸ء کو حیدرآباد سے پٹھان کوٹ منتقل ہو گئے۔

یہ دارالاسلام کوئی بسی بسائی بستی و آبادی نہیں تھی بلکہ اس کی حقیقت بس یہ تھی... کہ پٹھان کوٹ (ضلع گورداس پور) کے قریب ایک بہت مختصر سی بستی "جمال پور" کے رہنے والے چودھری نیاز علی خاں اور ان کے بھائی چودھری عبدالرحمان خان نے ایک وسیع قطعہ وقف کر کے اس میں دو رہائشی مکانات چند کوارٹر اور ایک مسجد بنوا دی تھی اس میں علامہ اقبال کا مشورہ بھی شامل تھا (جیسا کہ مولانا النعمانی مدظلہ نے وضاحت کی ہے) مگر معلوم ہو کہ اقبال صاحب اور مودودی

---

[1] بحوالہ کاروان ملت بعنوان دور جدید کی تحریکیں ص ۸۵-۸۴۔

صاحب کے خیالات مختلف ہیں :۔ جیسا کہ پروفیسر عزیز احمد نے واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

مولانا مودودی کے دعووں کے باوجود ان کے اور اقبال کے مذہبی اور سیاسی خیالات میں بہت ہی کم مجانست پائی جاتی ہے اور وہ فکر اقبال کے وسیع میدان کے صرف کناروں کو چھوپائے ہیں۔ مولانا مودودی کی تعلیمات کا محور فی الحقیقت اقبال سے بالکل متضاد رہے [۱]

ادارہ دارالاسلام کے سلسلہ میں علامہ محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں :

کہ مودودی صاحب نے ۱۹۳۶ء میں اپنے چار رفقاء کے تعاون سے پٹھان کوٹ (پنجاب) میں ادارہ دارالاسلام قایم کیا۔ ان چار رفقاء کے نام یہ ہیں۔

(۱) مولانا محمد منظور نعمانی (۲) مولانا ابوالحسن علی ندوی (۳) مولانا امین احسن اصلاحی (۴) مولانا مسعود عالم ندوی۔[۲]

مودودی صاحب نے اس ادارہ دارالاسلام کی ایک مجلس شوریٰ بھی تشکیل دے دی تھی۔ چند ماہ بعد یہ ادارہ لاہور منتقل ہو گیا۔ ترجمان القرآن کے ایک شمارہ میں مودودی صاحب لکھتے ہیں :

"ضروری اطلاع"

ادارہ دارالاسلام کی مجلس شوری کے فیصلہ کے مطابق ادارہ کا مرکز اور اس کے ساتھ ترجمان القرآن کا دفتر ۲۶ رجنوری ۳۹ء کو بستی جمال پور سے لاہور منتقل ہو جائے گا۔[۳]

اجلاس برائے تاسیس جماعت

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم" میں اسلامی تحریک کی تشریح اور اس کے لیے کام کرنے والی ایک جماعت کی ضرورت ظاہر ہو چکی تھی۔ اور اس مطلوبہ جماعت کی تشکیل کا نقطہ بھی پیش کر دیا گیا تھا۔ اس کی اشاعت کے بعد "ترجمان القرآن" ماہ صفر ۶۰ھ میں عامۃ الناس کو دعوت دی گئی کہ جو لوگ اس نظریہ کو قبول کر کے اس طرز پر عمل کرنا چاہتے ہوں وہ دفتر کو مطلع کریں۔ چنانچہ

---

[۱] ہندو پاک میں اسلامی جدیدیت ص۳۰۰

[۲] خلاصہ از الاستاذ المودودی ص۹

[۳] ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۵ ماہ جنوری ۳۹ء

اطلاعات آنی شروع ہوگئیں اور جماعت اسلامی کی تشکیل کے لیے یکم شعبان ۱۳۶۰ھ (۲۵ر اگست ۱۹۴۱ء) اجتماع کی تاریخ مقرر ہوئی۔

۲۸ر رجب ہی سے لوگ آنے شروع ہوگئے اور یکم شعبان تک تقریبًا ۴۰ر آدمی آچکے تھے۔ باقی کچھ لوگ بعد میں آئے۔ شرکاء اجتماع کی کل تعداد ۷۵ر تھی۔[1]

یہ اجتماع لاہور میں منعقد ہوا اور چار دن رہا مولانا مودودی صاحب امیر منتخب ہوئے اور مرکز لاہور کو قرار دیا ـــــــــ تاسیس جماعت کے وقت بعض بڑی شخصیات بھی شامل تھیں۔ مثلاً حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب۔ سید مولانا صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، سید مولانا محمد جعفر صاحب پھلواروی وغیرہ۔

۱۹۴۲ء میں دوبارہ جماعت کا مرکز دارالاسلام کو قرار دیا گیا۔

دستور جماعت اسلامی

مودودی صاحب نے اپنی تحریک اور نظریہ کے تحت ایک دستور تیار کیا جس میں عقیدہ، نصب العین، امارت اور ابتدائی لائحہ عمل کی وضاحت کردی۔ اس عقیدہ کے تحت یہ بھی ایک دفعہ ہے۔

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو" اور نصب العین کے تحت لکھا ہے کہ :

"جماعت اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی وجہد کا مقصود دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے"[2]

دستور جماعت اسلامی اور اکابر دیوبند

حضرت مولانا نعمانی صاحب مدظلہ، نے ازراہ تعلق یہ دستور جماعت اور اجتماع اوّل کی روداد حضرت تھانوی رح کی خدمت میں روانہ کی کہ ملاحظہ فرمالیں۔ اوّلاً حضرت نے سرسری نظر ڈالی۔ اور مجھے جواب لکھا۔ جس کے اخیر میں لکھ دیا کہ دل قبول نہیں کرتا۔ پھر اس کے بعد مولانا مفتی

---

[1] روداد جماعت اسلامی ج ۱ ص ۳ ملخصًا۔

[2] ملاحظہ ہو دستور جماعت اسلامی ص ۴-۵۔

جمیل احمد صاحب تھانوی ظلہٗ کا خط مجھے ملا (جو حضرت کے قریبی عزیز اور خاص خدام میں سے تھے) انہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ آپ جماعت اسلامی کے اجتماع کی روداد اور اس کا دستور جو حضرت کی خدمت میں بھیجا تھا وہ حضرت نے دیکھنے اور اظہار رائے کے لیے مجھے عنایت فرمادیا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا مجھے تو اس میں بہت سی قابل اصلاح باتیں نظر آئیں۔ میں نے ان کو لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس کو میں آپ (محمد منظور نعمانی) کو بھیج دوں۔ چنانچہ بھیج رہا ہوں [1]

مودودیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔

مودودی صاحب کی کتابوں کا مطالعہ اور ان کی تحریک کی شرکت مسلمانان دین کے لیے بہت مضر ہے' ان کتابوں میں صحابہ کرام، تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین سے بے اعتمادی پیدا کر کے دین کے سارے ثبوت کو درہم برہم کیا گیا ہے اور بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں کہ اگر دور سے دور تک کی تاویلیں کر کے نہ بچا جاوے تو ایمان کے لیے بھی خطرناک ہیں۔

پھر مفتی صاحب نے مودودی صاحب کے تراشوں کی روشنی میں ان کے نظریات پر قدرے روشنی ڈالی ہے [2]

جماعت کی تشکیل سے قبل جب تک مودودی صاحب کے نظریات سامنے نہیں آئے تھے عقیدہ اور نصب العین کی کوئی تعیین نہیں تھی بلکہ ذکر تک نہیں تھا۔ مودودی صاحب سیدھے سیدھے چل رہے تھے تو ایک گونہ بعض حضرات سے مودودی صاحب کا ربط بھی تھا۔

تشکیل جماعت سے قبل مودودی صاحب اور اکابر دیوبند

جماعت کی تاسیس سے قبل ۱۹۳۵ء تک مودودی صاحب کے بعض علمی کارنامے سامنے آتے رہے بلکہ صحافت میں جب قدم رکھا تو جلد ہی جمعیۃ العلماء کی ترجمانی کرنے والے اخبار "الجمعیۃ" کے واسطے سے

---

[1] میری رفاقت کی سرگزشت ص ۱۳۸/۱۳۹ ملخصاً۔

[2] ملاحظہ فرمائیں۔ علماء دیوبند کا فتویٰ ص ۲-۳۔

بہت کچھ لکھتے رہے اس وقت جمعیۃ کو حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا احمد سعید صاحب جیسے بزرگوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ مودودی صاحب ان کے زیر سایہ لکھتے رہے اسی زمانے میں "کتاب الجہاد فی الاسلام" لکھی اور دیگر تالیفات اور مقالات سامنے آئے۔ دین کے نام پر ایک کام ہو رہا تھا، قلم کا رخ ٹھیک تھا۔ اس لیے دیگر اکابر دارالعلوم نے بھی نہیں چھیڑا بلکہ مودودی صاحب کے ابتدائی تصنیفی کارنامے دیکھ کر ہمارے اکابر نے تعریف کی اور یہ حق پسندی ہے جو ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

اختلاف اکابر کا نقطہ آغاز

دستور جماعت اسلامی سامنے آیا جس میں گیارہ دفعات ہیں۔ بعض دفعات محل اشکال بن گئیں۔ یہیں سے اکابر کا اختلاف شروع ہوگیا۔ خاص کر پہلی دفعہ جس میں معیارِ حق کی تعیین کی گئی ہے۔ اور دوسری دفعہ جس میں نصب العین کی وضاحت ہے۔ پہلی دفعہ صحابہ کرام کے اجتماعی عمل اور فیصلہ کے حجت ہونے کی نفی کرتی ہے، حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ بھی حجت شرعیہ ہے۔ اور مودودی دستور کی مذکورہ دفعہ کی رو سے جماعت صحابہ معیار حق باقی نہیں رہتی۔ حالانکہ سارے دین اسلام کا جوا انہی کے کاندھوں پر ہے۔ ان کے درمیان سے نکل جانے سے دین کہاں رہ سکتا ہے۔ یہ پہلا نقطہ ہے جہاں سے مودودی صاحب کی گمراہی کا آغاز ہوتا ہے۔

اور دوسری دفعہ نصب العین (حکومت الہٰیہ کا قیام) سے سارا دین سیاسی بن کر رہ جاتا ہے جس کی تصویر مودودی صاحب کے لٹریچر میں صاف آئینہ کی طرح نظر آتی ہے۔

اسی وقت سے اہل حق کے ساتھ مودودی صاحب کا اختلاف شروع ہوتا ہے اور یہاں تک بڑھتا ہے کہ ان کے ہمدم و ہمراز ساتھی ایک ایک کر کے سب جدا ہو جاتے ہیں۔

اکابر کی طرف سے تردید

علامہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں کہ: مودودی صاحب کے مضامین پر سب سے پہلے رد و قدح کرنے والے مولانا مناظر حسن رہ گیلانی ہیں جنھوں نے مولانا عبدالماجد دریا بادی کی ادارت میں نکلنے والے رسالے "صدق جدید" میں مودودی صاحب کی تردید میں مضمون لکھا۔ پھر خود دریا بادی صاحب نے مودودی صاحب کی تردید کی۔ مولانا سید سلیمان ندوی حضرت شیخ الاسلام

مولانا مدنی رح نے بھی تردید فرمائی۔ نیز مودودی صاحب کے چار رفقاء میں سے جو جماعت کے امیروں میں شامل تھے۔ دو حضرات مولانا محمد نعمانی صاحب اور مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب نے چھ ماہ کے بعد ہی استعفیٰ دے دیا۔ تیسرے کچھ دن کے بعد الگ تھلگ ہو گئے۔ وہ ہیں مولانا اصلاحی صاحب اور چوتھے مولانا مسعود عالم ندوی کچھ دن کے بعد کوچ فرما گئے۔ انہوں نے ہی مودودی صاحب کی اردو تصانیف کا عربی میں ترجمہ کیا۔ بعد میں دھیرے دھیرے اکثر علماء کرام نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور بیزاری کا اعلان کر دیا[1]

شاید ایسا المیہ کسی اور جماعت کے ساتھ پیش آیا ہو کہ صف اول کے علماء اور ابتدائی جملہ رفقاء کار نے علیحدگی اختیار کر لی ہو۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

دراصل، مودودی صاحب کے زور قلم سے امت مسلمہ کو جب زیادہ مضرت پہنچنے لگی تو علماء امت نے افراط و تفریط کے بغیر ان کے متعلق رائے پیش کی اور اظہار خیال شروع کیا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح کا مودودیت پر تبصرہ۔

حضرت قاری صاحب مودودیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔۔۔۔ خوارج نے سب سے پہلے حکومت الٰہیہ کا اسلامی نعرہ لگایا۔ لیکن اسکے نتیجہ سے فتنہ عقائد اور فتن صحابہ کے غیر اسلامی مقاصد نکل آئے۔ روافض نے محبت اہل بیت کا دینی نعرہ لگایا۔ مگر اس کے نتیجے سے سب وشتم صحابہؓ اور الزام خلافت کا مفسدہ ظہور پذیر ہوگیا۔ یا آج کے دور میں مثلاً سرسید نے تعلیم وترقی کا نعرہ لگایا، مگر اس کے نتیجہ سے انکار خوارق و معجزات اور فتنہ عقائد نکل آیا۔

مشرقی نے قومی عسکریت اور تنظیم کا نعرہ لگایا اور اس کے نتیجہ سے نکل آیا۔ مولوی کا غلط مذہب۔ غرض ان تمام تحریکوں کا عنوان اور نعرہ اسلامی تھا اور اس کے نتیجے مقاصد غیر اسلامی نتیجہ یہ ہوا کہ ناسمجھ عنوان کی خوشنمائی سے مبتلا ہوئے اور سمجھ دار حقیقت کو سمجھ کر بچ رہے۔ اور

---

[1] خلاصہ الاستاذ المودودی ص ۱۰۹۔

اس طرح تفریق ہو کر مسلمانوں کے بہت سے افراد ان سے کٹ گئے اور ان کے مدمقابل بھی آکھڑے ہوئے اور فتنہ، تخریب اور اختلاف نے امت کو گھیر لیا۔ اگر تحریک حکومت الٰہی کے پاکیزہ عنوان کے نتیجہ سے فقہ و تصوف کا انکار، اکابر امت کی تحقیق وغیرہ برآمد ہوئی تھیں تو جس تفریق امت پر مذکورہ تحریکات منتج ہوئیں۔ اسی پر یہ تحریک بھی (مودودیت) منتج ہوگئی[۱]

بقول حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب یہ فتنہ قوی ہے

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی اسلامی جماعت کے متعلق میں نے گمراہ ہونے اور اسلام میں ایک فتنہ ہونے کا بیان تو دیا ہے۔ کافر ہونے کا بیان ابھی تک نہیں دیا ہے تاہم فتنہ قوی ہے اور بہت اندیشہ ناک ہے[۲]

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ظلہ کا مودودیت پر ریمارک

مولانا علی میاں ندوی صاحب مدظلہ نے مودودی صاحب کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں (مودودی صاحب) نے مقصد و وسائل کے بارے میں جو نیا موقف اختیار کیا اور عبادت و ذکر کے بارے میں جن خیالات اور نئی تحقیقات کا اظہار کیا ہے اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ جو نسل خالص ان تحقیقات و خیالات کے سایہ میں پروان چڑھے گی اور جو جماعت محض اس لٹریچر کے اثر سے تیار ہوگی اور اس کا ذہنی رابطہ کسی اور ماحول سے نہیں ہوگا اس کا ایک نیا دینی مزاج بن جائے گا۔ جو اس مزاج سے مختلف ہوگا جس کو تربیت و صحبت نبوی، اسوۂ رسول اور صحابہ کرامؓ کی اقتدا نے تیار کیا اور جو علی سبیل التوارث اس وقت تک چلا آرہا ہے اور اسی طرح اس کی فکر و سعی کی گاڑی اس پٹری سے ہٹ کر جس پر آنحضرت صحابہؓ اور ان کے تابعین و تابعین نے ڈالا تھا ایک دوسری پٹری پر پڑ جائے گی[۳]

مزید اکابر دار العلوم کے تردیدی بیان کے لیے ملاحظہ فرمائیں

---

۱ مکتوبات ثلثہ ص ۹۵-۹۴۔
۲ علمائے دیوبند کا فتویٰ ص ۲۔
۳ عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ص ۱۵

۱۔ مکتوب ہدایت از حضرت شیخ الاسلام مدنی رح

۲۔ علماء دیوبند کا فتویٰ جماعت اسلامی کے عقائد فاسدہ کی روشنی میں

۳۔ رسالہ کشف حقیقت یعنی تحریک مودودیت اپنے اصلی رنگ میں از حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب سابق مفتی اعظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اس رسالہ کے اخیر میں علماء دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی درج ہے جس پر شیخ الادب صاحب رح کے دستخط، نیز حضرت مولانا فخر الحسن صاحب و حضرت مولانا سید حسن مہدی صاحب کے دستخط درج ہیں۔

۴۔ اور کتاب "مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں" بھی ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ اور ۱۳۶۰ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح وغیرہ نے مدرسین دارالعلوم دیوبند کی ایک کمیٹی اس لیے بنادی تھی کہ جماعت اسلامی کے لٹریچر کا بغور مطالعہ کرے تاکہ متفقہ طور پر علماء دارالعلوم کا ایک بیان ملک میں شائع کر دیا جائے۔ اور حق واضح ہوجائے [۱]

مودودی صاحب کا مسلک

ع۔ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

مودودی صاحب مسلکاً نہ مقلد ہیں اور نہ غیر مقلد موصوف کے اس مسلک کو ان کی زبان قلم یوں ظاہر کر رہی ہے۔

"میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت کا پابند ہوں"[۲]

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک چاہے اہل حدیث کا مسلک ہو یا حنفیہ کا یا شافعیہ کا مسلک ہو کوئی مسلک بھی تفصیلات کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ اور اب مودودی صاحب اس مرتبہ میں ہیں کہ علم وفضل کی حیثیت سے قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے تحقیق اور اجتہاد کو حق بجانب قرار دیں اور دوسرے کو باطل ٹھہرائیں کتاب الاستاذ المودودی میں بھی اس طرح کی عبارت ہے۔ من ھو المودودی ؟ عامۃ اھل باکستان — مودودی صاحب کون ہیں ؟ پاکستان کی عموی

---

[۱] ملاحظہ ہو استفتائے ضروری صـ ۹۔

[۲] رسائل ومسائل صـ ۱۵۳ ج ۱۔

والجمهور يتبعون الامام ابا حنيفة النعمان» ومنهم من يخالف التقليد ويسمون باهل الحديث وهم الالف الوف ايضاً والمودودى لا الى هؤلاء ولا الى هؤلاء ودابه ان يفسر القرآن برايه وان يرد الاحاد الصحيحة الثابتة اللتى صححها ائمة الحديث كالبخارى و مسلم برايه فاجمع علماء باكستان على انه ضال مضل فيما تفوه به فى المسائل العلمية والاحكام الشرعية۔

اکثریت تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مقلد ہے بعض لوگ تقلید کے مخالف ہیں جنہیں اہل حدیث کہا جاتا ہے وہ بھی لاکھوں کی تعداد میں ہیں لیکن مودودی صاحب نہ ادھر نہ ادھر۔ ان کا وطیرہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر بالرائے کرتے ہیں۔ نیز احادیث صحیحہ کہ امام بخاری اور امام مسلم جیسے ائمہ حدیث نے جنکو صحیح قرار دیا ہو۔ اپنی رائے کے سامنے اس کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ علماء پاکستان کی متفقہ رائے یہ ہے کہ وہ اپنے من گھڑت علمی مسائل اور شرعی احکام میں خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والے ہیں [1]

مودودی صاحب کا نظریہ تقلید

ان کی جماعت کے ایک ترجمان اسعد گیلانی صاحب تقلید کے سلسلہ میں مودودی صاحب کا قول اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ —— میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لیے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے مگر یہ یاد رہے کہ اپنی تحقیق کی بنا پر کسی ایک اسکول کے طریقے اور اصول کا اتباع کرنا اور چیز ہے اور تقلید کی قسم کھا بیٹھنا بالکل دوسری چیز اور یہی آخری چیز ہے۔ جسے میں صحیح نہیں سمجھتا۔ [2]

دراصل مودودی صاحب کو دین سمجھنے کے لیے سلف کے واسطوں کی ضرورت نہیں۔ وہ بزعم خود قرآن وسنت کو براہ راست سمجھ لیتے ہیں اس لیے تقلید کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرح متوجہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] ضمیمہ الاستاذ المودودی۔

[2] مولانا مودودی سے ملیے ص ۱۰۱۔

میں نے دین کو ماضی یا حال کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن و سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے۔ یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول نے کیا کیا؛ اسی ذریعہ معلومات کی طرف میں آپ لوگوں کو بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔[1]

حالانکہ اس انداز کی تعلیم سے لوگوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ یہ اسلاف اور علماء دین کو سمجھنے کے واسطے اور ذرائع ہیں۔ ان پر اعتماد کے بغیر دین کی حفاظت نہیں ہو سکتی بلکہ مسلمانوں کا گمراہی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

حیرت تو یہ ہے کہ، مودودی صاحب نے بھی ایک مقام پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ ان کی تحریر ملاحظہ ہو۔

علماء کی عزت بلاشبہ مسلمانوں پر واجب ہے اگر ان کی عزت نہ ہو ان کا اعتماد نہ ہو تو مسلمان اپنے دین کا علم کس سے حاصل کریں گے احکام دین کس سے پوچھیں گے؛ عبادات اور معاملات میں کس کا اتباع کریں گے؛ اس لحاظ سے علمائے وقار اور ان کے اعتماد کی حفاظت، درحقیقت دین کی حفاظت ہے اور اس چیز کے ضائع ہو جانے سے مسلمانوں کے گمراہی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ یقینی ہے۔[2]

تفسیر کے سلسلے میں مودودی نظریہ

مودودی صاحب مسلکاً آزاد ہیں بلکہ ان کی تحریروں سے مجتہد مطلق ہونے کا ادعا ظاہر ہوتا ہے۔ اور بہت سی جگہ تفسیر بالرائے کی ہے۔ بعض آیات قرآنی کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالا ہے چنانچہ تفسیر قرآن کے متعلق لکھتے ہیں؛

قرآن کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا

---

[1] دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات ص۳۲۔

[2] ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۱۲، عدد ۵، جولائی ۱۹۳۸ء ص۳۲۵۔

بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو جدید طرز پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو. وہ اپنے لیکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا. پھر بی، اے میں ان کو پورا قرآن اس طرح پڑھا دیگا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کر جائیں گے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے [1]

(مودودی صاحب کی تفسیر پر تفصیلی کلام انشاء اللہ آئندہ ہوگا)

احادیث مبارکہ کے متعلق مودودی صاحب کی کسوٹی

مودودی صاحب نے جس طرح قرآن پاک کی آیات میں تفسیر بالرائے کی ہے اسی طرح احادیث نبویہ کے متعلق رائے زنی کی ہے اور ان میں بھی نقل پر عقل کو ترجیح دی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

محدثین رحہم اللہ کی خدمات مسلم. یہ بھی مسلم کہ فقہ حدیث کے لیے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے. کلام اس میں نہیں ہے. بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتقاد کرنا کہاں تک درست ہے. وہ بہر حال تھے تو انسان ہی، انسانی علم کے لیے جو حدیں فطرۃً اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے. انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے. پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے [2]

مسلم اور بخاری کے متعلق. لکھتے ہیں:

یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری و مسلم میں جتنی احادیث درج ہیں ان کے مضامین کو جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیئے. اس سلسلے میں یہ بات بھی جان لینے کی ہے کہ کسی روایت کے سنداً صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا نفس مضمون بھی ہر لحاظ سے صحیح ہو اور جوں کا توں قابل قبول ہو [3]

---

[1] تنقیحات ص۲۳۵ ، [2] تفہیمات ص۲۹۲،

[3] رسائل و مسائل جلد دوم ص۱۴۲ ،۔

ذرا غور کریں کہ اس سے کہیں دین کی جڑیں تو کھوکلی نہیں ہو رہی ہیں کیا حدیث پاک پر بے اعتمادی کے بعد دین باقی رہے گا۔؟

بقول مودودی صاحب صحیحین کی ایک حدیث مہمل افسانہ ہے

حضرت ابراہیم سے متعلق ثلاثِ کذبات والی حدیث پر کلام کرتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں ــــــــــ "رہا تیسرا جھوٹ" تو وہ دراصل ان مہمل افسانوں میں سے ایک ہے جو بائبل میں انبیاء کے نام پر گھڑے گئے ہیں[1]

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

یہ بخاری اور مسلم شریف کی روایت ہے۔ وہ بخاری جس کو جمہور نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا ہے۔ یہ ثلاث کذبات والی حدیث بخاری شریف ج ۲/ ص۹۸۵ اور مسلم شریف جلد۲ ص۲۶۱ پر اجمالاً آئی ہے اور بخاری شریف جلد۱ ص۴۷۳ پر تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔

یہ حدیث تلقی بالقبول کی وجہ سے صحت اور شہرت کے اس درجہ کو پہنچ چکی ہے جو اخبار احاد میں شمار نہیں ہو سکتی۔ جمہور علماء اسلام نے اس کو صحیح مانا ہے اور جھوٹ کو توریہ کے اقسام میں شمار کیا ہے[2]

مگر مودودی صاحب جمہور کے برخلاف اس کو مہمل افسانوں میں شمار کر رہے ہیں اور عقل کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں (نعوذ باللہ)

مودودی صاحب نے کرسئی افتاء پر بیٹھ کر فقہی مسائل میں بھی خوب منہ شگافیاں کی ہیں کیونکہ وہ بزعم خود مجتہدانہ ذہن رکھتے ہیں۔ ان کے پاس عقل کی کسوٹی ہے۔ اس لیے وہ علماء کی طرف نہیں دیکھتے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] رسائل ومسائل جلد دوم ص۳۵۔ [2] ملاحظہ ہو۔ قصص القرآن ج ۱/ ص۲۰۲-۲۰۳ اور تفہیم القرآن ج۳/ ص۱۶-۲۰ پر بھی اس حدیث کے متعلق مودودی صاحب کا خوب جارحانہ قلم چلا ہے۔ مہ توریہ یہ ہے کہ لفظ یا ایسا قول جس کے دو معنی ہوں ایک قریب و مشہور، دوسرے بعید، اور مراد معنی بعید ہوں۔

میں اپنا دین معلوم کرنے کے لیے چھوٹے یا بڑے علماء کی طرف دیکھنے کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ خود خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے معلوم کر سکتا ہوں کہ دین کے اصول کیا ہیں، اور یہ بھی تحقیق کر سکتا ہوں کہ اس ملک میں جو لوگ دین کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں وہ کسی خاص مسئلہ میں صحیح مسلک اختیار کر رہے ہیں یا غلط۔ اس لیے میں مجبور ہوں کہ جو قرآن وسنت حق پاؤں اسے حق سمجھوں اور اس کا اظہار بھی کر دوں [1]

انتباہ ان تصریحات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مودودیت ایک مستقل فرقہ ہے جو اہل سنت والجماعت کے نظریات سے کوسوں دور ہے۔ اس کی زرق برق تحریر اور شگفتہ وشستہ انشاء پردازی وطلاقت لسانی میں آج کا پڑھا لکھا انسان بھی گم ہو جاتا ہے نیز الفاظ کی بھول بھلیوں میں بھٹک جاتا ہے۔ اور اس کی زہرناکیوں کو نہیں سمجھ پاتا۔ بالکل اسی دودھ بھرے گلاس کی طرح کہ جس میں مینگنی گر گئی ہو وہ سفید ہی رہے گا، مگر ہوگا ناپاک۔ اس لیے اس کی زہرناکی سے بچنا چاہیے۔

دراصل یہ اعتزال، خارجیت اور شیعیت ہے جس نے نام نہاد جماعتِ اسلامی کا روپ دھار لیا ہے۔ خارجیوں کی طرح حکومت کو اولیں درجہ اس نے دیا۔ صحابہ کو اس نے مطعون کیا۔ معتزلہ کی طرح عقل کو نقل پر ترجیح اس نے دی۔ شیعیت کی طرح حضرت معاویہ رضؓ وغیرہ کو اس نے کیا کیا الزامات لگائے۔

قدر مشترک ان جملہ فرقوں کی طرح اپنے نظریات کے مطابق تفسیر بالرائے اس نے کی۔

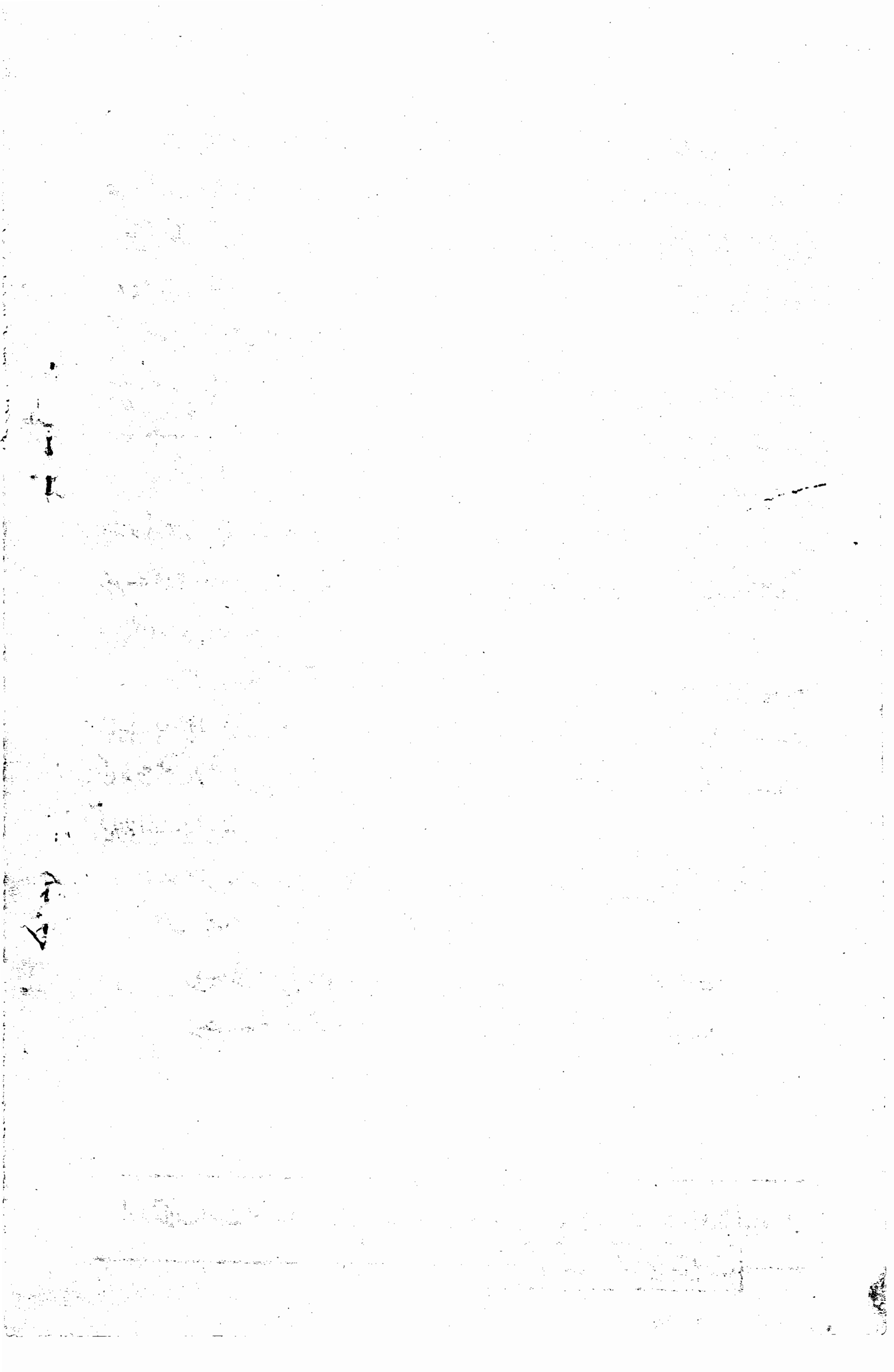
اس لیے اس مارِ آستین سے بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب

---

[1] اختلاف امت اور صراط مستقیم جلد ۱ صفحہ ۱۶۵ بحوالہ روداد اجتماع جماعت اسلامی الہ آباد صفحہ ۴۲۔

کاتب :- محمد نسیم سیتاپوری



بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

دوسرا محاضرۂ علمیہ

بر موضوع



پیش کردہ

جنابِ مولانا عبدالخالق سنبھلی صاحب

استاذ فقہ وادب دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

حامداً و مصلیاً و مسلماً و بعد !

اس محاضرہ میں مودودی صاحب کی تفسیر کا مختصر طور پر جائزہ لینا ہے، مودودی صاحب کی تصانیف میں خاص کر تفہیم القرآن کو جو مقام حاصل ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ مودودی صاحب اور ان کی جماعت اپنے پیش کردہ مشن کے لیے اس تفہیم القرآن کو بے نظیر سرمایہ سمجھتی ہے کہ جس سے اب تک امت کا دامن خالی رہا ہے، مگر بعض آیات کی ایسی تفسیر کی ہے جس سے ملت اسلامیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ شرما گئی، موصوف نے اپنے نظریات کو مدنظر رکھ کر قرآنی آیات کو ان کے گرد گھمانے کی کوشش کی ہے، اپنی ذہنی اپج اور قلمی گلکاریوں سے تفسیر قرآن میں ایسے افکار و نظریات سمو دیئے ہیں جن کا اسلاف کبار کی تفسیر سے دور کا بھی واسطہ نہیں جس کے باعث انکی تفسیر تفسیر بالرائے بن کر رہ گئی ہے جس پر احادیث میں وعید آئی ہے۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن مقدس ابتداءِ نزول ہی سے پوری آب و تاب کے ساتھ ھدایت کی ضوپاشیاں کر رہا ہے اور تا قیامت اس کی تابناکی برقرار رہے گی، کیوں کہ رب کریم نے قرآن مقدس کی حفاظت و بقاء کی ذمہ داری خود لے رکھی ہے۔

فرمان باری ہے :

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔

چنانچہ اس کا ظاہر و باطن بالکل اسی طرح باقی رہے گا جس طرح قرن اول میں محفوظ تھا

اس کی کشش میں سرِ مو فرق نہیں آسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اہل علم اس سے کبھی سیر نہ ہوں گے اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے"[۱]

بلاشبہ یہ کلام الٰہی وہ چشمۂ خیر ہے جس کے سوتے کبھی خشک ہونے والے نہیں ہیں، یہ وہ بحر محیط ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے، اس بحر کے شناور برابر اس میں غواصی کر رہے ہیں اور موتی نکال رہے ہیں۔

حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں:

لو شئت ان اوقر سبعین بعیراً	سورۂ فاتحہ کے تفسیری ذخیرے سے اگر میں
ن تفسیر ام القرآن لفعلت[۲]	ستر اونٹوں کو بوجھل کرنا چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔

یعنی صرف سورہ فاتحہ کے عناوین اور مضامین اس قدر ہیں کہ جن سے کئی لائبریریاں ار ہو سکتی ہیں۔

مگر تفسیر نام ہے مراد خداوندی بیان کرنے کا جس کی تعیین کے لیے سب سے مقدم نبی کریم ، اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، کیوں کہ آپ ہی پر نزول قرآن ہوا جو آپ نے سمجھا وہ اصل ، اس کے خلاف جو مطلب بیان کیا جائے وہ ہرگز مراد خداوندی نہیں ہو سکتا، اگر دیث میں تعیین مطلب نہ مل سکے تو صحابہ کرام رضؓ کے اقوال کی روشنی میں مطلب بیان جائے۔ کیوں کہ یہ حضرات چشمۂ نبوت سے براہ راست فیض حاصل کرنے والے ہیں۔ آپؐ ، اولین مخاطب ہیں جن کے حوالے اس امانت کو فرمایا ہے، لہٰذا جو تفسیر ان اسلاف کبار تفسیر سے متصادم ہوگی وہ قابل قبول نہ ہوگی۔

اگر کوئی شخص آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اتنا آگے نکل گیا کہ اس کی تفسیر سے اسلامی ادات یا احکام پر کسی طرح کی بھی زد پڑ رہی ہے تو اس کی یہ تفسیر خواہ کتنی ہی نکات آمیز

۱۔ مشکوٰۃ ص۱۸۶

۲۔ ن قول کی تشریح کے لیے دیکھئے الاتقان للسیوطی ص۱۸۶ جلد ۲

ہو اور بظاہر کتنی ہی دلنشیں ہو ---------- ردی کے ٹوکرے میں ڈال دی جائے گی اور اس مفسر کو تفسیر بالرائے کے جرم میں مستحق وعید ٹھہرایا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ فیضی کی سواطع الالہام یا اس کے مثل دیگر کتب زبان و بیان کا دلکش مرقع ہوتے ہوئے بھی اس لائق نہیں کہ ان پر ایک نگاہ غلط بھی ڈالی جائے۔

دراصل اہل باطل ہمیشہ نظریات پہلے قائم کرتے ہیں اور اپنے نظریات کے دلائل میں قرآن وحدیث کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ مگر اہل حق کا یہ وطیرہ نہیں ہے۔ وہ تو قرآن پاک کے سلسلہ میں اسلاف سے اخذ کردہ تفسیر و تشریح کو لیتے ہیں اور قرآن و حدیث کے عطا کردہ نظریات خوش دلی کے ساتھ قبول کر کے اس کے مطابق عمل پیرا رہتے ہیں، محض عقل وفہم کی روشنی سے قرآن پاک میں رائے زنی نہیں کرتے، جس کو تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔

تفصیل میں جانے سے قبل تفسیر، مآخذ تفسیر، شرائط تفسیر، طبقات مفسرین اور تفسیر بالرائے پر قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے جس سے زیر بحث مسئلہ کو سمجھنا سہل ہو گا۔ اور یہ بھی منقح ہو جائے گا کہ مودودی صاحب نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں کس طرح کی خدمت انجام دی ہے۔

علم تفسیر علم تفسیر کچھ تفصیلات کو شامل ہے اس کی اصطلاحی تعریف علامہ محمود آلوسی رہ نے اس طرح کی ہے:

علم یبحث فیه عن کیفیة النطق بالفاظ القرآن و مدلولاتها و احکامها الافرادیة والترکیبیة و معانیها التی تحمل علیها حالة الترکیب و تتمات لذلك کمعرفة النسخ وسبب النزول وقصة توضح ما ابهم فی القرآن ونحو ذلك۔

علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، ان کے مفہوم، انکے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جائے جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں۔ نیز ان کا تکملہ مثلاً ناسخ و منسوخ، شان نزول، قرآن کے مبہم قصوں وغیرہ کو توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

شرائط تفسیر تفسیر کا تعارف کرانے کے بعد علامہ آلوسی رح نے تفسیر کے لیے سات شرطیں ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلی شرط تفسیر قرآن کے لیے پہلی شرط ہے عربی زبان کا جاننا۔ کیوں کہ الفاظ مفردہ کا مفہوم اوران کی وضعی مراد کو اسی کے ذریعہ جانا جا سکتا ہے، پھر اس سلسلہ میں معمولی علم کافی نہ ہوگا۔ اس لیے کہ بسا اوقات ایک لفظ کئی معنی میں مشترک ہوتا ہے اور یہ شخص صرف ایک معنی کو جانتا ہے جب کہ مراد دوسرے معنی ہیں (تو ایسی صورت میں تعیین معنی میں دشواری ہوگی)۔

لہٰذا جو شخص لغات عرب کا ماہر نہ ہو اس کے لیے تفسیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے، (بلکہ اُس میں ذوق عربیت کی پختگی ہونی چاہیے)۔

دوسری شرط عربی کلمات کے احکام کو مفرد اور مرکب ہونے کے لحاظ سے جاننا، اور اس شئی کا ادراک، علم نحو کے ذریعہ سے ہوتا۔ (علم نحو میں خوب مہارت ہونی چاہیے)۔

تیسری شرط علم معانی، بیان اور فن بدیع کا جاننا۔ پہلے علم سے تو افادۂ معنی کے لحاظ سے ترکیب کلام اور جملوں کی خاصیتوں کو پہچانا جاتا ہے، اور علم بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعبیر و اسلوب کی تبدیلی سے کلام میں کیا خصوصیت پیدا ہوئی (کہ یہ واضح ہے اور دوسرا غیر واضح) اور فن بدیع سے تحسین کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں اور یہ تیسری شرط کلام عرب کے سلسلہ میں اصل الاصول اور بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ جس کی حقیقت معمولی علمی ذوق رکھنے والا بھی سمجھتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ عربیت کے علوم و فنون جب تک کامل طور پر حاصل نہ کرلے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق اپنی ذاتی رائے پیش کرے، وہ تو مریض کے درجہ میں ہے جس کو ماہر ڈاکٹر کے نسخہ پر اعتماد کے بغیر چارہ نہیں)۔

چوتھی شرط مبہم کی تعیین، مجمل کی وضاحت، شان نزول اور ناسخ و منسوخ کا جاننا اور یہ سب چیزیں علم حدیث سے حاصل ہوتی ہیں (مفسر کو علم حدیث پر

جب تک مہارت تامہ نہ ہو قرآن کی تفہیم اس کے لیے ناممکن ہے)۔

پانچویں شرط اجمال وتفصیل، عموم وخصوص، مطلق ومقید، امر ونہی کی دلالت اور انکے مشابہ چیزوں کو جاننا اوران کا ماخذ اصول فقہ ہے۔

چھٹی شرط ان امور سے بحث کہ باری تعالیٰ کی ذات کے لیے کن چیزوں کا اطلاق جائز ہے اورکون سی چیزیں اس کی ذات کے لیے واجب ہیں اورکن چیزوں کا ثبوت اس ذات پاک کے لیے محال اور ناممکن ہے۔ نیز منصب نبوت میں غور وفکر۔ ان چیزوں کا حصول علم کلام سے ہوگا۔ اگر علم کلام سے واقف ہوئے بغیر میدان تفسیر میں کسی نے قدم رکھا تو وہ مفسر وادیٔ ضلالت میں جا گرے گا۔

ساتویں شرط فن تجوید وقرأت کا جاننا۔ اس لیے کہ نطق قرآنی کی کیفیت اور احتمال رکھنے والی چند وجوہ میں بعض کا بعض پر راجح ہونے کا علم اسی فن پر موقوف ہے۔[1]

تفسیری علوم ان مذکورہ شرائط میں وہ علوم آ گیے جن کی ایک مفسر کو اشد ضرورت ہے۔ علامہ سیوطی رح فرماتے ہیں کہ:

"مفسر کو جن علوم کی حاجت ہے وہ پندرہ ہیں۔ (۱) علم لغت۔

۲:- علم نحو۔	۹:- علم اصول وکلام۔
۳:- علم صرف۔	۱۰:- علم اصول فقہ۔
۴:- علم اشتقاق۔	۱۱:- اسباب نزول اور قصص کا علم۔
۵:- معانی۔	۱۲:- علم ناسخ ومنسوخ۔
۶:- بیان	۱۳:- علم فقہ:- (۱۴)- علم حدیث۔
۷:- بدیع	۱۵:- وہبی علم:-

۸:- علم قرأت وتجوید (یہ دونوں تفسیر میں تزئین کا سبب ہیں)

وھبی:- یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالےٰ اپنے عالم باعمل بندوں کو عطاء فرماتا ہے اور

---

[1] خلاصہ از روح المعانی جلد ۱ ص۴تا۶

حدیث ذیل میں اسی طرف اشارہ ہے: "من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم" (جو شخص جانی ہوئی بات پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نامعلوم باتوں کا علم بھی عطا فرما دیتے ہیں)" [1]

جوان اسلامی علوم سے محروم ہو خواہ وہ کیسا ہی حکیم و دانشور ہو قرآن کے معانی و مطالب کو نہیں چھو سکتا اور مراد کو نہیں پا سکتا"۔

ماخذ تفسیر

تفسیر قرآن کے لیے چھ ماخذ ہیں۔

پہلا ماخذ: خود قرآن کریم ہے (تفسیر القرآن بالقرآن) یعنی اس کی آیات بعض اوقات ایک دوسرے کی تفسیر کر دیتی ہیں۔ مثلاً سورہ فاتحہ میں ارشاد ہے:

اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ط

یہاں یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ جن لوگوں پر انعام فرمایا گیا ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں۔ دوسری آیت میں اس کی صراحت کر دی ہے۔

فرمان باری ہے:

أولئك الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور بعض حضرات نے تو ایسی تفسیر لکھ دی جس میں آیت کی تفسیر کسی دوسری آیت سے کی گئی ہے۔ اس قسم کی ایک تفسیر علامہ ابن الجوزی نے بھی لکھی ہے۔ جلال الدین سیوطی رح نے الاتقان میں اس کا ذکر کیا ہے [2]

دوسرا ماخذ: احادیث نبوی ہیں، قرآن نے متعدد مقامات پر یہ واضح فرمایا ہے کہ....

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاتقان جلد ۲ از ص ۱۸۱۔

[2] الاتقان جلد ۲ ص ۱۷۵ آخری سطر۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد یہی تھا کہ آپ م اپنے قول وفعل سے آیات قرآنی کی تفسیر فرمائیں۔ لہٰذا آپ کا قول وفعل قرآن پاک کی تفسیر ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے ؛

وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ؛ ہم نے قرآن آپ پر اسی لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں بیان فرمادیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔

اور بہت سی دیگر آیات میں بھی آپ م کی اس شان کو واضح فرمایا گیا ہے۔

لیکن جو روایت جہاں نظر آجائے اسے دیکھ کر قرآن کریم کی کوئی تفسیر متعین کر لینا درست نہیں کیوں کہ وہ روایت ضعیف اور دوسری مضبوط روایتوں کے خلاف بھی ہو سکتی ہے درحقیقت یہ معاملہ بڑا نازک ہے اور اس میں قدم رکھنا انہی لوگوں کا کام ہے جنھوں نے اپنی عمریں ان علوم کو حاصل کرنے میں صرف کی ہوں۔

تیسرا ماخذ، اقوال صحابہ ہیں۔ جن حضرات نے قرآن کریم کی تعلیم براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی وہ صحابہ کرام رض ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات نے اپنی پوری زندگیاں اسی کام کے لیے وقف کی تھیں کہ قرآن کریم اس کی تفسیر اور متعلقات ــــ کو براہ راست آپ م کے اقوال وافعال سے حاصل کریں۔ یہ حضرات اہل زبان بھی تھے اور نزول قرآن کے ماحول سے پوری طرح باخبر بھی۔ لیکن انہوں نے اپنی زبان دانی پر بھروسہ کرنے کے بجائے قرآن کریم کو سبقاً سبقاً آپ سے پڑھا۔

معلوم ہو کہ ـــــــــ جہاں صحابہ کرام کی بیان کردہ تفسیروں میں کوئی اختلاف ہو وہاں اول تو یہ دیکھا جائے گا کہ ان مختلف اقوال میں کوئی ہم آہنگی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہم آہنگی ہو سکتی ہے تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر اختلاف ناقابل تطبیق ہو تو ایک مجتہد (جس میں شرائط اجتہاد پائی جائیں) جس قول صحابی کو دلائل کے لحاظ سے زیادہ مضبوط پائے اسے اختیار کر سکتا ہے۔

چوتھا ماخذ، تابعین کے اقوال ہیں۔ تابعین سے مراد وہ حضرات ہیں جنھوں نے صحابہ کرام رض

سے علم حاصل کیا (اگر تابعین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلاشبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الاتباع ہوگی)

پانچواں ماخذ، لغتِ عرب ہے، یعنی مذکورہ مآخذ کے بعد لغت عرب کو بھی سامنے رکھا جائے گا اگر قرآن وسنت یا آثار صحابہ میں کسی لفظ کی تفسیر موجود نہ ہو تو وہاں آیت کی وہ تفسیر کی جائے گی جو اہل عرب کے محاورات میں متبادر طور پر سمجھی جاتی ہو۔ ایسے قلیل الاستعمال معنی بیان کرنا غلط ہے جو عام بول چال میں نہ ہوں۔

چھٹا ماخذ، عقل سلیم (تدبر واستنباط)، اسی تدبر واستنباط کی صلاحیت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کے لیے یہ دعاء فرمائی تھی:

اللھم علمہ التاویل وفقھہ فی الدین۔ یا اللہ اسکو تفسیر کا علم، اور دین میں سمجھ عطا فرما۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس طرح عقل وفہم سے مستنبط کیے ہوئے وہی حقائق واسرار معتبر ہیں جو دوسرے شرعی اصول اور مذکورہ بالا پانچ مآخذ سے متصادم نہ ہوں۔ اور اگر اصول شرعیہ کو توڑ کر کوئی نکتہ بیان کیا جائے تو اس کی دین میں کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ بلکہ اس انداز کی چیزیں تفسیر بالرائے میں داخل ہیں۔[۱]

تفسیر بالرائے

علامہ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے کہ ابن نقیب فرماتے ہیں کہ:۔
"مجموعی طور پر تفسیر بالرائے کے سلسلے میں پانچ باتیں ملتی ہیں۔

۱:۔ ان علوم کو حاصل کیے بغیر تفسیر کرنا جن پر تفسیر کا مدار ہے (جن کی تفصیل پہلے آچکی ہے)

۲:۔ ان متشابہات کی تفسیر کرنا جن کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

۳:۔ اپنے غلط مذہب یا رجحانات کو مقدم کرکے قرآن کریم کو اس کے تابع بنانا۔

۴:۔ کسی آیت میں دلیل صحیح کے بغیر یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یقیناً یہی ہے۔

۵:۔ من پسند تفسیر کرنا[۲]

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ علوم القرآن ص۳۲۳، [۲] الاتقان جلد ۲ ص۱۸۳۔

تفسیر بالرائے کے سلسلے میں قول فیصل

مولانا یوسف بنوری رح فرماتے ہیں کہ:

"میرے نزدیک اس سلسلے میں قول فیصل وہ ہے جس کو تفسیر خازن کے مقدمہ میں ذکر کیا گیا ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رح نے بھی تفسیر بالرائے کے یہی معنی پسند فرمائے ہیں۔ خازن کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن کریم میں تفسیر بالرائے کی ممانعت ان لوگوں کیلئے وارد ہوئی ہے جو قرآن کریم کو اپنی ذاتی رائے کے مطابق معانی پہناتے ہیں اور تفسیر ان کی خواہش اور طبعی میلان کے تابع ہو جاتی ہے۔ یہ کام انسان کبھی جان بوجھ کر کرتا ہے اور کبھی علم کے بغیر اس میں مبتلا ہوتا ہے"

آگے لکھتے ہیں:

"یہ دونوں ہی قابل مذمت ہیں اور اس سلسلے میں وارد ہونے والی وعید شدید میں داخل ہیں"[1]

شاہ صاحب کا ارشاد گرامی

تفسیر بالرائے کے سلسلے میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں:

"تفسیر قرآن جب کسی مسئلہ میں تبدیلی کا موجب نہ ہو یا عقیدۂ سلف میں کوئی تبدیلی نہ کرے تو وہ تفسیر بالرائے نہیں ہے البتہ جب تفسیر کسی ایسے مسئلہ کو بدل دے جو تواتر سے ثابت ہے یا کسی عقیدہ میں تبدیلی کر دے جو متفق علیہ ہے تو یہی تفسیر بالرائے ہے اور ایسی تفسیر مفسر کو جہنم کا سزاوار بنا دیتی ہے"[2]

تفسیر میں گمراہی کے اسباب

الحاصل، تفسیر کے سلسلے میں گمراہی کے چند اسباب ہوتے ہیں چار بنیادی سبب ہیں۔

۱:- پہلا سبب نااہلیت، یہ سب سے خطرناک سبب ہے کہ انسان اپنی اہلیت و صلاحیت

---

[1] یتیمۃ البیان ص ۳۲، [2] فیض الباری شرح صحیح البخاری جلد ۴ ص ۱۵ (تفسیر بالرائے کے سلسلے میں تفصیلات کے لیے مناہل العرفان فی علوم القرآن بھی دیکھی جاسکتی ہے، از ص ۵۴ تا ۶۲)

کو دیکھے بغیر قرآن کریم کے معاملہ میں رائے زنی شروع کر دے۔ خاص طور سے ہمارے زمانے میں گمراہی کے اس سبب نے بڑی قیامت ڈھائی ہے ـــــــ یہ غلط فہمی عام ہوتی جارہی ہے کہ صرف عربی زبان پڑھ لینے کے بعد انسان قرآن مجید کا عالم ہوجاتا ہے اور اس کے بعد جس طرح سمجھ میں آئے قرآن کریم کی تفسیر کرسکتا ہے۔

۲:۔ دوسرا سبب قرآن کریم کو اپنے نظریات کے تابع بنانا: تفسیر قرآن کے سلسلے میں دوسری عظیم گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے ذہن میں پہلے سے کچھ نظریات متعین کرلے اور پھر قرآن کریم کو ان نظریات کے تابع بنانے کی فکر کرے۔ قرآن کریم کے بارے میں یہ طریق کار اختیار کرنا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس کے برابر کوئی ظلم نہیں ہوسکتا۔

۳:۔ تیسرا سبب زمانے کے افکار سے مرعوبیت: تفسیر قرآن کے سلسلے میں تیسری گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے وقت کے فلسفیانہ اور عقلی نظریات سے ذہنی طور پر مرعوب ہوکر قرآن کریم کی طرف رجوع کرے، اور تفسیر قرآن کے معاملہ میں ان نظریات کو حق و باطل کا معیار قرار دے دے۔

۴:۔ چوتھا سبب قرآن کریم کے موضوع کو سمجھنے میں غلطی کے اندر مبتلا ہوجانا:۔ تفسیر قرآن کے بارے میں چوتھی گمراہی یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کریم کے موضوع کو ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھتے اور اس میں وہ باتیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس کے موضوع سے خارج ہیں۔ مثلاً بعض حضرات اس جستجو میں رہتے ہیں کہ قرآن کریم سے کائنات کے تمام سائنسی اور طبعی حقائق مستنبط کیے جائیں۔ لیکن سائنس کا کوئی مسئلہ ذہن میں رکھ کر قرآن کریم سے اسے زبردستی نکالنے کی کوشش ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص طب کی کتاب میں قانون کے مسائل تلاش کرنے لگے ـــــــ واضح ہو کہ، بہت سی آیات میں قرآن کا موضوع بیان کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم سلامتی کی راہ بتائے اور تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لانے اور صراط مستقیم کی نشاندہی کے لیے آیا ہے۔

تفسیر بالرائے پر وعید قرآن پاک کی تفسیر کرنا جہاں ایک انتہائی سعادت کی چیز ہے وہاں اس نازک وادی میں قدم رکھنا بے حد خطرناک بھی ہے۔ کیوں کہ اگر انسان نے کسی آیت کی غلط تشریح کر دی تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رب کریم کی طرف ایسی بات منسوب کر رہا ہے جو اس نے نہیں کہی۔ اس جسارت کا ارتکاب کرنے والوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کان کھول کر سن لینا چاہیے:

من تکلم فی القرآن برائیہ فاصاب فقد اخطأ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) — جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے، تب بھی اس نے غلطی کی۔

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ فی النار۔ (ابوداؤد) [1] — جو شخص قرآن کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

مفسرین کے طبقات مفسرین کے طبقات کے اعتبار سے کچھ لوگوں نے تو اس طرح کی تقسیم کی ہے کہ کون سا طبقہ افضل اور کس کا درجہ بعد میں ہے [2]

یہاں مفسرین کے ان طبقات کو بتانا ہے جنہوں نے قرآن پاک کی تفسیر پر کچھ خدمات انجام دیں کہ کن اصول کو مد نظر رکھ کر انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر کی، تاکہ زیر بحث تفسیر کو بآسانی سمجھا جا سکے اور اس کا درجہ متعین کیا جا سکے۔ اس اعتبار سے محققین نے مفسرین کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا طبقہ ان مفسرین کا ہے جو نہ براہ راست قرآن کریم سے معانی کا استنباط کرتے ہیں نہ کسی مجتہد کے معین کردہ اصول اجتہاد کی پیروی میں معانی کا استنباط کرتے ہیں

---

[1] بحوالہ الاتقان ص۱۶۹ جلد ۲،

[2] ملاحظہ ہو 〃 ص۱۸۷ 〃 النوع الثمانون فی طبقات المفسرین

بلکہ وہ اپنے پیش رو قابل اعتماد، راسخ العلم متقدمین کی کاوشوں میں سے اپنے عہد کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر محض انتخاب کا کام کرتے ہیں، جیسے اردو میں حواشی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور عربی میں "صفوۃ العرفان"۔

ظاہر ہے کہ متقدمین کے قابل اعتماد مصنفین کی محنتوں کا عطر کشید کرنے یا — ان سے انتخاب کرنے کے لیے کسی ماہرانہ صلاحیت کی ضرورت نہیں بلکہ یہ سعادت ہر وہ عالم حاصل کر سکتا ہے جو عربی کے متداول علوم میں پختہ استعداد رکھتا ہے۔

دوسرا طبقہ ان مفسرین کرام کا ہے جو محض انتخاب پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ متقدمین کے عرق ریزیوں سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ائمہ اجتہاد میں سے کسی ایک امام کے اصول اجتہاد کی پیروی کرتے ہوئے اس محدود دائرے میں استنباط و استخراج کا کام بھی کرتا ہے۔ جیسے اردو میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی "بیان القرآن" یا حضرت مولانا فتح محمد تائب لکھنوی کی "خلاصۃ التفاسیر" یا عربی میں علامہ آلوسی رح کی "روح المعانی" وغیرہ اس انداز پر تفسیر کی خدمت انجام دینا پہلے انداز سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اور اس کیلئے محض عربی کے متداول علوم و فنون میں پختہ استعداد کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہوگا کہ جس امام مجتہد کے متعین کردہ اصول اجتہاد کی پیروی کرنا چاہتا ہے ان سے پوری طرح نہ صرف یہ کہ واقف ہو بلکہ ان کے استنباطِ احکام کے متعین کردہ اصول کے اجراء پر مکمل دسترس رکھتا ہو۔

اگر کوئی اس طرح کی ماہرانہ بصیرت نہ رکھتا ہو اس کے باوجود وہ استخراج معنی اور استنباط مسائل کی جرأت کرے تو یقیناً اس کی ہمت افزائی نہ کی جائے گی۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جو استنباط احکام اور استخراج معانی میں کسی بھی امام کے طریقہ کار کی پابندی سے آزاد ہے بلکہ یہ کتاب اللہ سے براہ راست اپنے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں استنباط کا کام کرنا چاہتا ہے گویا یہ حضرات اپنا طریقہ کار خود متعین کریں گے۔ پہلے اپنے لیے کچھ اصول مقرر کریں گے پھر ان اصول کے مطابق تخریج و استنباط کا کام انجام دیں گے۔ یہ حضرات دعوی کریں یا نہ کریں لیکن جو شاہراہ ان حضرات نے اختیار کی ہے وہ اصطلاح میں اجتہاد مطلق کے نام سے موسوم کرنے کی مستحق ہے اور یہ وہ وصف

ہے جس میں صحابہ کرام، مجتہدین، فقہاء، تابعین اور ائمہ متبوعین کا شمار کیا گیا ہے۔
اس انداز کی تفسیر لکھنے والے مفسر کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مجتہد مطلق کی شرائط کا جامع ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رسوخ فی العلم کی وہ منزل رفیع ہے جہاں تک رسائی آسان نہیں ہے۔
اپنے طور پر اصول اور لائحہ عمل مقرر کرنے والے یہ مفسر جو بھی طریقہ کار اختیار کریں ان کے لیے ضروری ہوگا کہ ان کے اختیار کردہ تمام اصول عقل و نقل کی کسوٹی پر پورے اتریں اور اپنے مقرر کردہ اصول تخریج میں سے ہر اصل کے بارے میں انھیں مدلل طور پر بتلانا ہوگا کہ یہ اصل کہاں سے ماخوذ ہے۔ غور فرمایا جا سکتا ہے کہ تفسیر کا یہ انداز دوسرے قسم کی تفسیر سے بھی کہیں زیادہ نازک، مشکل، اہم اور بھاری ہے۔ صرف پختہ استعداد رکھنے والے علماء کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی بلکہ اس کے لیے ——— ان علوم پر مہارت کے ساتھ ساتھ کہ جن پر تفسیر کا دار و مدار ہے ضروری ہے کہ:

- معیار شریعت اور مقاصد شریعت سے واقف ہوں۔
- تمام ائمہ مجتہدین کے اصول استنباط پر انھیں نہ صرف یہ کہ کامل عبور ہو۔ بلکہ ان کے درمیان محاکمہ کرنے کی صلاحیت ہو۔
- قیاس اور اس کی شرائط اور تمام ائمہ کے یہاں اس کے طریقہ کار کا تفصیلی علم انھیں حاصل ہو۔
- اعتقاد کے اعتبار سے صراط مستقیم کے پیرو کار ہوں اور ضلال نے ان کے یہاں کوئی راہ نہ پائی ہو۔
- صلاح و تقویٰ کے اعتبار سے بھی انھیں امتیازی مقام حاصل ہو۔
- پھر یہ کہ وہ اپنا مقرر کردہ طریقہ کار اور لائحہ عمل امت کے متبحر اور اہل نظر علماء کے سامنے پیش کر کے اس کی تصدیق بھی کر لیں۔[1]

جس میں یہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں وہ اپنے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں اس

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مقدمہ تفہیم القرآن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ از مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ استاذ حدیث دار العلوم دیوبند۔

تیسری قسم کی تفصیلی خدمت انجام دے اس کو اختیار ہے اور اس کے لیے یہ جائز ہے۔

مَودُودِی صَاحب اور اُن کی تفسیر

ان تمام تفصیلات کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ مودودی صاحب نے اپنی تفہیم القرآن کے ذریعہ کس قسم کی تفسیر لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ مفسر کے کون سے شرائط ان میں پائے جارہے ہیں، ان کے دیباچہ تفہیم اور ان کی دیگر تحریروں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے آخری اور تیسری قسم کی تفسیر لکھنے کی ہمت کی ہے اور خدمت قرآن کا شوق پورا کیا ہے۔

چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں :

"میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کی بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں" [۱]

مودودی صاحب تنقیحات میں لکھتے ہیں

"علوم اسلامیہ کو بھی ان کی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجیے بلکہ ان میں سے متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجیے"۔

آگے لکھتے ہیں ؛

"قرآن وسنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں" [۲]

---

[۱] دیباچہ تفہیم القرآن جلد ۱ ص ۱۰۔

[۲] تنقیحات ص ۱۱۴ ، مطبوعہ رامپور۔

مودودی صاحب کے یہ رشحات قلم صاف بتا رہے ہیں کہ وہ اپنی تفسیر میں نہ تو متقدمین میں سے کسی کی پیروی کریں گے اور تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے بھی کچھ نہیں لیں گے اور انہی امور کو سپرد قلم کریں گے جو ان کی سمجھ میں آئیں گے۔

اور موصوف نے اصول اور کسی طریقہ کار کی تعیین بھی نہیں کی۔ اور نہ انھیں یہ مقام حاصل تھا۔ کیوں کہ جملہ شرائط کا فقدان تھا۔ ان سب کے باوجود جگہ جگہ قرآن میں رائے زنی سے کام لیا۔ اس لیے ان کی تفسیر، تفسیر بالرائے کا مظہر بن کر رہ گئی۔

تفہیم القرآن کی بنیادی خامیاں

تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنے والا اگر گہری نظر ڈالے تو اس کے سامنے چند خامیاں نمایاں ہو جائیں گی۔

- آزاد ترجمانی اور من مانی تفسیر کے باعث مودودی جمہور مفسرین کی شاہراہ سے ہٹ گیے ہیں۔
- عصمت انبیاء کو داغدار کیا ہے اور ایسے گستاخی آمیز جملے ان حضرات معصومین کی شان میں استعمال کیے ہیں جس سے ان کی صفت عصمت مجروح ہوتی ہے۔
- حضرات صحابہ رض پر طعن کیا ہے جس سے ان کی عظمتِ شان پر بٹہ لگتا ہے اور جلالت قدر متاثر ہوتی ہے۔
- معجزات اور خوارق سے انکار کی جھلک نمایاں ہوتی ہے بعض معجزات کے تفصیلی حاشیوں میں مودودی صاحب نے گو، مگو کے انداز میں کلام کیا ہے جس سے انکار معجزات محسوس ہوتا ہے۔
- مسلمات اسلام کی تسلیم سے فرار۔ بہت سے مقامات پر مودودی صاحب نے جمہور کے مسلمات سے انکار اور راہِ فرار اختیار کی ہے۔

لہٰذا، تفہیم القرآن کے قاری کو قرآن پاک کی وہ دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو علماء حق

کی دوسری تفسیروں کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

(۰) نظریات کو پہلے قائم کیا گیا ہے پھر آیات کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ اپنی تحریک کے مدنظر قرآن پاک کے چار الفاظ (الٰہ، رب، دین عبادت) کو مودودی صاحب نے خودساختہ اصطلاح قرار دیا۔ اور ان اصطلاحات کے مفہوم میں سیاسی اقتدار ڈھونڈ نکالا۔ اور تفہیم القرآن کی تصنیف سے پہلے ان اصطلاحات پر خاص انداز میں کلام کیا اور اپنی تشریحات کو مرکزی خیال دے کر تفسیر قرآنی کے لیے ایک نیا نمونہ پیش کر دیا۔

مودودی صاحب ان اصطلاحات کے متعلق لکھتے ہیں:

"بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گیے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا۔" [1]

ان اصطلاحات پر مودودی صاحب نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے (ان اصطلاحات پر ہم مستقل طور پر کلام کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ)

---

[1] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صک۔

تفہیم القرآن کب اور کن محرکات کے تحت لکھی گئی

تفہیم القرآن کی تصنیف کا آغاز ماہ فروری ۱۹۴۲ء میں ہوا۔ دراصل اس سے چھ ماہ پہلے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آچکا تھا مگر نظریات کو قرآن کی تائید کے بغیر لوگوں کے ذہن میں اتارنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے مودودی صاحب نے بھی اپنے نصب العین کو مدلل کرنے اور اپنے نظریات کے مطابق اسلام کی تشریح کر کے اس کو لوگوں کے ذہنوں میں اتارنے کے لیے تفسیر قرآن کا کام شروع کیا۔ چنانچہ رسالہ "الحسنات" کے خصوصی شمارے میں رفیق صاحب ڈوگر کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے تفہیم القرآن کیوں؟ رفیق صاحب کا سوال تھا، آپ نے تفہیم القرآن لکھنے کی کیوں ضرورت محسوس کی، تو مودودی صاحب نے جواب دیا۔

"۱۹۲۶ء میں جب میں نے "الجہاد فی الاسلام" لکھنا شروع کی تو اس کے مطالعہ کے دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ اسلام ایک تحریک ہے اور اس تحریک کا مقصد اللہ کے دین کو اللہ کی زمین پر عملاً قائم کرنا ہے۔ اس وقت سے برابر اس مسئلہ پر غور کرتا رہا کہ اس تحریک کو کس طرح از سر نو تازہ کیا جائے کیوں کہ اس وقت مسلمان صرف ایک نسلی قومیت بن کر رہ گیے ہیں اور ان کے اندر یہ احساس سرے سے موجود نہیں کہ ہم کسی تحریک کے کارکن ہیں۔ اسی غور و فکر کا نتیجہ ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کا قیام اور دوسرا نتیجہ یہ تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ خواہ اپنی تحریر و تقریر سے کتنی ہی اسلام کی تشریح و تفصیل بیان کروں لیکن لوگ اس وقت تک اس دین کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے جب تک قرآن کے ذریعہ اس کو لوگوں کے ذہن میں اتارنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس احساس کی بنا پر جماعت اسلامی کے قیام کے چھ ماہ بعد فروری ۱۹۴۲ء میں، میں نے تفہیم القرآن

لکھنا شروع کی۔

اور جس مقصد کے لیے تفہیم القرآن لکھی گئی۔ مودودی صاحب کے متبعین نے اس کے اثرات محسوس کیے اور بعض نے تفہیم القرآن کی اس خصوصیت کا اظہار بھی کیا ہے۔ چنانچہ اسی الحسنات کے خصوصی شمارے میں تفہیم القرآن کے ایک حقیقت شناس جناب الطاف حسین قریشی اپنے تعزیتی مضمون "پیارے مولانا" میں تفہیم القرآن سے متعلق اپنے تأثرات یوں پیش فرماتے ہیں:

تفہیم القرآن کی یہ خصوصیت بڑی منفرد ہے کہ آپ جوں جوں پڑھتے جائیں گے توں توں اپنے اندر اسلامی تحریک میں حصہ لینے کی آمادگی پائیں گے۔ آپ کا جی چاہے گا کہ خیر و شر اور حق و باطل کی کشمکش میں کود پڑیں اور اللہ کا منشا (حکومت الٰہیہ) زمین پر نافذ کر کے ہی دم لیں"۔ [۱]

مودودی صاحب نے جگہ جگہ آیات کی تفسیر میں اپنے نظریات سمونے کی جدوجہد کی ہے تو ان کے متبعین کو بھی اس میں وہی نظر آتا ہے اور اس کی خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں۔

مودودی صاحب کا علمی حدود اربعہ

تفہیم القرآن کو مطالعہ کی میز پر پیش کرنے سے پہلے صاحب تفہیم "مودودی صاحب" کا علمی جغرافیہ اور کچھ نظریات معلوم ہونے چاہئیں تاکہ ان کو سامنے رکھ کر تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا آسان ہو جائے۔

یہ معلوم ہے کہ مودودی صاحب کا تعلیمی سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا اور حالات کے پیش نظر عمر کے بارھویں سال میں ہی یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ اس عہد طفولیت میں کچھ مبادیات پڑھنے کا موقع ملا، بعد میں مطالعہ کیا مگر اسلامی عربی علوم میں دسترس حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ محدثین اور علوم اسلامیہ (فقہ وغیرہ) سے تو بدظن رہے اور ان سے بے اعتمادی

---

[۱] تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش ص۲۰-۲۱ حصہ دوم۔ بحوالہ "رسالۃ الحسنات" ماہ جنوری ۱۹۸۰ء خصوصی شمارہ یادگار مودودی نمبر،

کا کھلے طور پر اعلان کیا ہے۔

مودودی صاحب کی محدثین اور احادیث پاک سے بے اعتمادی:

مودودی صاحب نے اپنی تفہیمات میں ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے مسلکِ اعتدال۔ مودودی صاحب نے اس میں منکرین حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اس طرح کلام کیا ہے جس سے محدثین کی پوری جماعت سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"یہ لوگ محدثین کی اتباع میں جائز حد سے بھی زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں ان کا قول یہ ہے کہ محدثین کرام نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھدیا ہے۔ ایک ایک حدیث کو چھانٹ کر وہ بتا چکے ہیں کہ کون کس حدتک قابلِ اعتماد ہے اور کون کس حدتک نا قابلِ اعتبار اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کر دیئے ہیں انھیں کے مطابق ہم ان کو اعتبار اور حجت کا مرتبہ دیں۔ مثلاً جو قوی الاسناد ہے اس کے مقابلے میں ضعیف الاسناد کو چھوڑ دیں جسے وہ صحیح قرار دے گیے ہیں اسے صحیح تسلیم کریں اور جس کی صحت میں وہ قدح کر چکے ہیں اس سے بالکل استناد نہ کریں۔ ان کے معروف کو معروف ان کے منکر کو منکر مانیں، رواۃ کے عدل وضبط اور ثقاہت کے متعلق جن جن آراء کا وہ اظہار کر گیے ہیں ان پر گویا ایمان لے آئیں۔ ان کی نگاہ میں احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک اسی معیار کی ہم بھی پابندی کریں مثلاً مشہور کو شاذ پر، مرفوع کو مرسل پر اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں۔ اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے سرمو تجاوز نہ کریں۔ یہی مسلک ہے جس کی شدت نے بہت سے کم علم لوگوں کو حدیث کی کلی مخالفت یعنی دوسری انتہاء کی طرف دھکیل دیا ہے۔

محدثین رحمۃ اللہ علیہم کی خدمات مسلم کہ نقد حدیث کے لیے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اخبار وآثار کی تحقیق میں بہت کار آمد ہے۔ کلام

اس میں نہیں بلکہ صرف اس میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے۔ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی"۔

گے لکھتے ہیں :

"پس ان کے کمالات کا جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انھوں نے کی ہیں اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔ ایک بلحاظ اسناد اور دوسرے بلحاظ تفقہ" [1]

یہ مودودی صاحب کے مضمون کا تراشا ہے۔ سیاق وسباق اور پورے مضمون کو دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ مودودی صاحب نے محدثین پر بے اعتمادی اور ذخیرہ احادیث کو شکوک وشبہات کی ٹوکری میں ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

حالانکہ : قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلے میں احادیث پاک کو بنیادی حیثیت حاصل ہے مودودی صاحب نے علم حدیث خود تو کما حقہ حاصل نہ کیا، دوسروں کو بھی اس سے بدظن کرنا چاہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

جس کے نتائج بڑے بھیانک ہیں کہ اس سے پورے دین کا قلعہ متزلزل ہو جائے گا۔ مشہور منکر حدیث مسٹر غلام احمد پرویز نے ایک موقع پر لکھا تھا کہ :

"حدیث کے بارے میں میری رائے بھی اس سے زیادہ سخت نہیں جو مولانا مودودی نے ظاہر فرمائی ہے" [2]

مودودی صاحب اور علم فقہ

مودودی صاحب نے علم فقہ بھی پوری طرح حاصل نہ کیا اور فقہ کی کتابوں کو فروتر سمجھا بلکہ ایک مقام پر تو فتاویٰ شامی اور کنز الدقائق کو حقارت کے انداز میں ذکر کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے مدمقابل ٹھہرایا ہے، جب کہ ان کتابوں کا ماخذ قرآن اور حدیث ہے۔ ایک جگہ ترکی علماء

---

[1] تفہیمات صـ ۲۹۲-۲۹۱ ۔

[2] ملاحظہ ہو، اختلاف امت اور صراطِ مستقیم جلد ۱ صـ ۱۵۶ ۔

اورمشائخ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی قوم میں وہی فقہی قوانین نافذ کیے جائیں گے جو شامی اور کنزالدقائق میں لکھے ہوئے ہیں خواہ اس اصرار کا نتیجہ یہی کیوں نہ ہو کہ ترک ان قوانین کے اتباع سے بھی آزاد ہو جائیں جو قرآن اور سنت رسول میں مقرر کیے گیے ہیں" لہ

مودودی صاحب اورادبی علوم

مودودی صاحب نے ہرفن کے صرف مبادیات پڑھے تھے۔ عربی ادب میں بھی ان کو درک حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ ، دمشق کی عربی کانفرنس میں بھی اپنا مقالہ اردو میں لکھ کر لے گیے تھے جس کی ترجمانی بھی از خود نہ کرسکے اس کم علمی کا ایک جگہ خود اعتراف بھی کر لیا ہے۔

مودودی صاحب اپنے ایک مکتوب میں بنام شمیم احمد صاحب کراچی لکھتے ہیں ،

"پردہ" کی تصنیف کے زمانہ میں عام مترجمین کی طرح میں بھی "ایّمٌ" کے معنیٰ بے شوہر عورت سمجھتا تھا لیکن تفسیر سورۂ نور لکھتے وقت جب اس لفظ کی پوری تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کا اطلاق ایسے مرد پر بھی ہوتا ہے جس کی کوئی بیوی نہ ہو" ٹہ

مودودی صاحب وہ شخصیت ہیں جنھوں نے اکیس سال کی عمر سے براہ راست قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ دوران مطالعہ آیت "وانکحوا الایامیٰ منکم (ایامیٰ جو ایم" کی جمع ہے) بھی ضرور زیر نظر آئی ہوگی۔ مگر مودودی صاحب کو معلوم ہی نہ تھا کہ مرد بھی اس میں شامل ہیں۔ جب ۱۹۴۲ء میں تفسیر لکھنی شروع کی تو اس کے صحیح معنیٰ معلوم ہوئے حالانکہ عربی ادب کا طالب علم بھی ایسی چیزوں کو بخوبی جانتا ہے۔ تو مودودی صاحب کا مطالعہ اب تک خام رہا ہوگا۔ اور بہت بڑی غلط فہمی میں رہے ہوں گے۔ دراصل یہ نتیجہ ہے

لہ تنقیحات ص ۔

ٹہ مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی جلد ۱ ص ۲۹ ۔

پرانے علمی ذخیرے کو پس پشت ڈالنے کا، پھر بھی مودودی صاحب مراد کو اسی پرانے ذخیرے سے پہنچے۔

مودودی صاحب کے اسی سطحی علم کی بناء پر ان کے اس وقت کے یارِ غار مولانا امین احسن اصلاحی نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ تفسیر جیسے مہتم بالشان کام میں اپنے کو مصروف نہ کریں۔

تفسیر کی نازک وادی میں قدم نہ رکھنے کا مشورہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہٗ جماعت اسلامی سے اپنی علیحدگی کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہی وہ زمانہ ہے جب مولانا مودودی صاحب نے تفہیم القرآن لکھنا شروع کیا تھا اس وقت تک سورۂ بقرہ کے ابتدائی چند رکوع وہ لکھ چکے تھے۔ انھوں نے یہ حصہ ایک مخصوص صحبت میں مجھے اور مولانا امین احسن کو سنایا ——— مولانا امین احسن نے انہیں مشورہ دیا کہ اب آپ اپنے آپ کو علمی کاموں میں زیادہ مصروف نہ کریں۔

دوسرے وقت میں مولانا امین احسن نے مجھ (مولانا محمد منظور نعمانی صاحب) سے یہ بھی کہا کہ میں نے مشورہ مودودی صاحب کو اس لیے دیا تھا کہ جو کچھ اس وقت انھوں نے سنایا اس سے میں نے اندازہ کیا کہ مولانا کے علم کے بارے میں جو اندازہ ان کے مضامین سے تھا ان کا علم اس سے بہت کم ہے۔ خاص کر قرآن مجید کے بارے میں ان کا علم وفکر بہت سطحی ہے اور قرآن پر غور کرنے کے لیے علوم عربیت خاص کر علم نحو سے جتنی واقفیت ضروری ہے مولانا نے اس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

سلسلۂ کلام میں مولانا اصلاحی کا یہ ظریفانہ فقرہ اب تک حافظہ میں بالکل انہیں کے لفظوں میں محفوظ ہے کہ ——— بھئی میں تو مولانا کی علمی سطح کے بارے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ——— لافرق بینہ وبین پرویز (علامہ مودودی صاحب اور (منکر حدیث) پروفیسر پرویز

میں "علمی سطح کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے"۔[۱]

نسخ فی القرآن کے سلسلے میں مودودی نظریہ

اصولیین اور محققین نے نسخ فی القرآن کی تین قسمیں کی ہیں۔

۱۔ وہ نسخ کہ تلاوت اور حکم دونوں معاً منسوخ ہوں۔
۲۔ اس کا حکم منسوخ ہوگیا ہو مگر تلاوت باقی ہو۔
۳۔ تلاوت منسوخ ہوگئی ہو مگر حکم منسوخ نہ ہوا ہو۔

اس تیسری قسم کی مثال میں آیت رجم: "اذا زنا الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم"۔۔۔۔کو مثال میں پیش کیا ہے۔[۲]

مگر مودودی صاحب شذوذ و تفرد کے عادی ہیں۔ اپنی ایک اینٹ کی مسجد الگ بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ بزعم خود محقق مودودی صاحب نے ایسے نسخ کا انکار کیا ہے۔

ایک صاحب نے ان سے معلوم کیا کہ!

کیا قرآن کی کوئی آیت ایسی بھی ہے جو منسوخ التلاوۃ ہو مگر اس کا حکم باقی ہو؟ محدثین وفقہائے نے آیت رجم کو بطور مثال پیش کیا ہے۔

مودودی صاحب جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"میرے نزدیک قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جو منسوخ التلاوۃ ہو اور بس اس کا حکم باقی ہو۔ آیت رجم جس کا ذکر بعض روایات میں آیا ہے۔ دراصل ایک دوسری کتاب اللہ یعنی تورات کی آیت تھی، نہ کہ قرآن کی۔ اس آیت کے نسخ سے مراد یہ ہے کہ جس کتاب میں یہ آیت تھی اس کتاب کو تو منسوخ کردیا گیا مگر اس کے رجم کے حکم کو باقی رکھا گیا"[۳]

---

[۱] جماعت اسلامی سے مجلس مشاورت تک ص۳۲۔

[۲] ملاحظہ ہو، الاتقان جلد ۲ ص۲۵۔

[۳] دیکھیے رسائل ومسائل جلد ۲ ص۱۰۵-۱۰۴۔

دوسری جگہ مودودی صاحب اسی نسخ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

" رہا نسخ تلاوت مع بقاء الحکم کا مسئلہ تو اس میں شک نہیں کہ علماءِ اصول نسخ کی اس قسم کا ذکر کرتے ہیں، مگر میں اعتراف کرتا ہوں کہ انتہائی غور کرنے پر بھی میں اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکا ہوں ۔ نسخ تلاوت کے لیے اگر موزوں ہو سکتی تھیں تو وہ آیتیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہو، نہ کہ کوئی ایسی آیت جس کا حکم باقی ہو" [1]

یہ مسئلہ بھی مودودی صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید موصوف اجتہاد کے منصب پر فائز ہیں۔ اور اس دوسری تحریر میں مودودی صاحب نے یہ کہہ کر کہ نسخ تلاوت کے لیے اگر موزوں ہو سکتی تھیں تو وہ آیتیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہو الخ. عجیب منطقی رائے پیش کی جگہ جگہ دینی مسائل میں خوب عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔

حیرت ہے کہ اس نسخ کی تیسری قسم کے لیے انھیں کوئی دلیل نہیں ملی۔ حالانکہ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ :-

" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب اتاری۔ رجم کی آیت بھی اس کتاب میں تھی جسے اللہ نے اتارا، ہم نے اس (آیت رجم) کو پڑھا، سمجھا اور یاد رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کی سزا دی اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کی سزا دی۔ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد مجھے ڈر لگتا ہے کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ کتاب میں رجم کی آیت نہیں ہے اور خدا کے نازل کردہ فریضہ کو چھوڑنے کی وجہ سے لوگ گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ حالانکہ اللہ کی کتاب میں رجم ثابت ہے،، [2]

بہرحال مودودی صاحب نے تفسیری علوم میں بھی اپنی نئی نئی تحقیقات پیش کی ہیں

---

[1] رسائل ومسائل جلد ۳ صفحہ ۳۰۔

[2] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۰۹ مع حاشیہ (۷)۔

اور دسیوں مسائل میں قلم کی آزاد روش نے انھیں صحیح روش سے ہٹا دیا ہے۔ نیز تفسیر کی کوئی بھی شرط ان میں موجود نہیں ہے اس لیئے انہیں قرآن کو مشق ستم نہیں بنانا چاہیے تھا اور تفسیر بالرائے نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اب ہم تفہیم القرآن کی کچھ جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔

تفہیم القرآن مطالعہ کی میز پر

اب ذرا تفہیم القرآن کھولیئے۔

یوں تو مودودی صاحب نے اپنی تصنیف تفہیم القرآن میں جگہ جگہ عجیب وغریب تحقیقات پیش کی ہیں۔ اپنے تبصرہ میں احادیث کو انہوں نے نہیں چھوڑا۔ انبیاء کی عصمت کو داغدار انھوں نے کیا۔ پیغمبر خدا کی طرف ادائیگی فریضۂ رسالت میں کوتاہی انہوں نے دکھائی۔ اپنے بے باک قلم سے حضرات انبیاء کرام کے لیے گستاخانہ جملے انہوں نے استعمال کیے۔ معجزات کو تذبذب کے ساتھ انھوں نے پیش کیا، مجتہد مطلق بن کر مسائل فقہیہ میں خوب موشگافیاں کیں اور جمہور کے اقوال کو بے سند بتلا کر ملت کو آزادی کی راہ دکھائی۔ یہاں بطور مشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں پیش ہیں۔

مودودی صاحب کو معجزہ میں شک

واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور ——— پر تفسیری حاشیہ ملاحظہ ہو:

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"اس واقعہ کو قرآن میں مختلف مقامات پر جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل میں یہ ایک مشہور ومعروف واقعہ تھا۔ لیکن اب اس کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنا مشکل ہے بس مجملاً یوں سمجھنا چاہیے کہ پہاڑ کے دامن میں میثاق لیتے وقت ایسی خوفناک صورت حال پیدا کر دی گئی تھی کہ ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان پر پہاڑ آپڑے گا۔ ایسا ہی کچھ نقشہ سورۃ اعراف آیت ۱۷۱ میں کھینچا گیا ہے (ملاحظہ ہو

سورہ اعراف حاشیہ ۱۳۲) ؎۱

○ مودودی صاحب نے یہاں جس حاشیہ کا حوالہ دیا ہے اس کو بھی یہیں ملاحظہ کرلیں :-

آیت- واذ نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة (الخ) کے حاشیہ ۱۳۲ پر لکھتے ہیں :

"اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جو موسیٰ علیہ السلام کو شہادت نامہ کی سنگین لوحیں عطا کیے جانے کے موقعہ پر کوہ سینا کے دامن میں پیش آیا تھا۔ بائیبل میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور پہاڑ کے نیچے آکھڑے ہوئے اور کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیوں کہ خداوند شعلہ میں ہوکر اس پر اترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا۔ (خروج ۱۹- ۱۷- ۱۸)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کتاب کی پابندی کا عہد لیا، اور عہد لیتے ہوئے خارج میں ان پر ایسا ماحول طاری کردیا جس سے انہیں خدا کے جلال اور اس کی عظمت و برتری اور اس کے عہد کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہوا اور وہ اس شہنشاہ کائنات کے ساتھ میثاق استوار کرنے کو کوئی معمولی سی بات نہ سمجھیں" ؎۲

ان دونوں تحریروں کو بغور پڑھیے، ایسا لگتا ہے کہ مودودی صاحب اس معجزہ کے سلسلے میں مذبذب ہیں اور پیش کرتے ہوئے جھجھک رہے ہیں۔ معتزلہ کے انداز میں نقل پر نقل کو ترجیح دے رہے ہیں، اور استدلال میں اہل کتاب کی تحریف شدہ کتاب "بائیبل" سے حوالہ پیش کیا ہے حالانکہ "القرآن یفسر بعضه بعضًا" کے تحت دونوں آیتوں کے ملانے سے مسئلہ منقح ہوکر سامنے آجاتا ہے کہ یہ ایک معجزہ تھا کیوں کہ آیت واذ نتقنا الجبل فوقهم

؎۱ تفہیم القرآن جلد ۱ ص ۸۳ -

؎۲ جلد ۲ ص ۹۵ -

کانہ ظلۃ" (جب ہم نے پہاڑ کو زمین سے اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان کے اوپر مسلط کردیا) کے اندر "نتق" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد "فوقھم" ذکر کرکے اس کے متعدد تراجم میں سے ایک ترجمہ کی تعیین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی نتق نتقاً (ن ض) سے استعمال ہونے والا فعل ہے۔ جس کے متعدد ترجمے ہیں ---- ہلانا، پھاڑنا، پھیلانا، بلند کرنا وغیرہ یہاں فوقھم کے قرینے سے یہ مراد متعین ہوئی کہ خداوند قدوس نے یہ پہاڑ بنی اسرائیل کے سروں پر مسلط کردیا۔ پھر اس کو ایک تشبیہ صریح کے ذریعہ مزید واضح کیا کانہ ظلۃ یعنی گویا کہ وہ پہاڑ بنی اسرائیل کے سروں پر سائبان بن کر مسلط ہوگیا۔

عربی مفسرین بھی نتقنا الجبل الخ کا ترجمہ جڑ سے اکھاڑ کر سروں پر بلند کرنے کا کررہے ہیں۔ ایسر التفاسیر میں شرح الکلمات کے تحت لکھتے ہیں:

"واذ نتقنا الجبل، ای رفعناہ من اصلہ فوق رؤسھم"[1]

مودودی صاحب کو اگر اہل کتاب کے صحیفے زیادہ عزیز ہیں تو اس معجزہ کے ثبوت میں "تالمود" کو پڑھ لیں ———— جو توریت کی مشہور و مستند اور نہایت ضخیم شرح یہود کے یہاں موجود ہے۔ اس میں اس اجمال کی تفصیل میں اقوال ذیل درج ہیں۔

"حق تبارک وتعالیٰ نے ان کے اوپر کوہ سینا کو الٹ دیا جس طرح کوئی بڑا ظرف الٹ دیا جاتا ہے۔ اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر، ورنہ سب یہیں دفن ہوکر رہ جاؤگے" (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۲ ص ۳۲۱)

"خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر الٹ کر اوندھا کردیا اور ان سے کہا کہ توریت کو اگر قبول کرتے ہو تب تو خیر، ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہے گا۔" (ایضاً) ہمارے مفسرین نے جو آثار صحابہ وتابعین کی زبان سے نقل کیے ہیں ان میں بھی روایتیں اسی سے ملتی جلتی ہیں"[2]

---

[1] ایسر التفاسیر لکلام العلی الکبیر جلد ۲ ص ۲۵۹۔

[2] تفسیر ماجدی ص ۳۷۲ پ ۱۔

ے اب بتائیں کہ ایسی خوفناک صورت حال پیدا کردی گئی تھی ——— یا واقعۃً معجزہ تھا جو جمہور کی رائے ہے۔

مودودی صاحب اور سحری کا وقت

وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ——— مودودی صاحب سحری کے وقت کے متعلق اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"آج کل لوگ سحری اور افطار دونوں کے معاملہ میں شدت احتیاط کی بنا پر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی کوئی ایسی حدبندی نہیں کی ہے جس سے چند سیکنڈ یا چند منٹ ادھر ادھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہو۔ سحر میں سیاہی شب سے سپیدی سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوع فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کھا پی لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور آذان کی آواز آجائے، تو فوراً چھوڑ نہ دے بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے" [1]

اس مقام پر مودودی صاحب نے یہ حدیث نقل کر کے کہ" اذان کی آواز آجائے تو فوراً سحری کھانا نہ چھوڑ دے" ملت کے لیے بڑی سہولت پیدا کردی۔ مودودی صاحب کیلیے یہ لازم تھا کہ یہاں یہ واضح کرتے کہ تہجد کی اذان مراد ہے جو صبح صادق سے پہلے حضرت بلال دیا کرتے تھے۔ لیکن کوئی صراحت نہ کی۔ اس سے عوام کیا سمجھیں گے۔؟ یہی سمجھیں گے کہ اذان فجر کے بعد سحری کھانے کے گنجائش ہے۔ کتنی بڑی گمراہی میں ملت کو مبتلا کر دیا جب کہ مودودی صاحب نے اپنی تفہیم القرآن اوسط درجہ کے لوگوں کے لیے لکھی ہے جو عربی سے اچھی

---

[1] تفہیم القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۴۶

طرح واقف نہیں ہیں، وہ بے چارے اس سے کیا اثر قبول کریں گے۔

مودودی صاحب تفہیم القرآن کی تصنیف کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس کام میں میرے پیش نظر علماء اور محققین کی ضروریات نہیں ہیں اور نہ ان لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لیے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے۔ انہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے اسی وجہ سے بہت سے ان تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علم تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں مگر اس طبقے کے لیے غیر ضروری ہیں۔"[1]

ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں تو مودودی صاحب کو تفسیری مباحث کو ہاتھ لگانا چاہیے تھا اور صراحت کرنی چاہیے تھی کہ اس اذان سے مراد اذانِ بلال رضؓ ہے جو فجر صادق سے پہلے ہوتی تھی[2] اور بخاری شریف و مسلم شریف کی حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول یہ روایت نقل کرنی چاہیے تھی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کہ حضرت بلال رضؓ کی اذان تمہیں سحری کھانے سے مانع نہ ہونی چاہیے کیونکہ وہ رات سے اذان دے دیتے ہیں اس لیے تم بلال کی اذان سن کر بھی اس وقت تک کھاتے پیتے رہو جب تک ابن ام مکتوم کی اذان نہ سنو کیوں کہ وہ ٹھیک طلوع صادق پر آذان دیتے ہیں"[3] (بخاری و مسلم)

---

[1] تفہیم القرآن دیباچہ ص ۶۔

[2] ملاحظہ ہو، ہدایہ اولین ص ۶۴۔

[3] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۶۶۔

یہ تفصیلات سامنے آنی چاہیے تاکہ گمراہی نہ پھیلے۔

سجدہ تلاوت بے وضو

سورہ اعراف کے سجدہ پر بحث کرتے ہوئے مودودی صاحب رقمطراز ہیں:

"اس سجدے کیلیے جمہور انہی شرائط کے قائل ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں یعنی باوضو ہونا، قبلہ رخ ہونا، اور نماز کی طرح سجدے میں زمین پر سر رکھنا۔ لیکن جتنی احادیث سجدہ تلاوۃ کے باب میں ہم کو ملی ہیں ان میں کہیں ان شرطوں کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت سجدہ سن کر جو شخص جہاں جس حال میں ہو جھک جائے، خواہ باوضو ہو یا نہ ہو، خواہ استقبال قبلہ ممکن ہو یا نہ ہو، خواہ زمین پر سر رکھنے کا موقع ہو یا نہ ہو۔ سلف میں بھی ہم کو ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کا عمل اس طریقہ پر تھا۔۔۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ وضو کے بغیر سجدہ تلاوت کرتے تھے"

آگے لکھتے ہیں:

"ان وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جمہور کے مسلک کے خلاف عمل کرے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی کیوں کہ جمہور کی تائید میں کوئی سنت ثابتہ موجود نہیں ہے اور سلف میں ایسے لوگ پائے گیے ہیں جن کا عمل جمہور کے مسلک سے مختلف تھا" [1]

الف: جمہور کے حق میں کوئی سنت ثابتہ نہیں ہے تو گویا وہ مسلک حق نہیں ہے۔

ب: مودودی صاحب پھر بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ زیادہ مبنی بر احتیاط مسلک جمہور ہی ہے۔

یہ ایک عجیب سی بات ہے جب کہ بقول ان کے تائید میں کوئی سنت ثابتہ نہیں ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۱۱۶۔

مودودی صاحب کو جمہور کی تائید میں کوئی دلیل نہیں ملی ــــــــــ عدم علم عدم وجود کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔

مودودی صاحب نے جو بخاری کی روایت ذکر کی ہے وہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں نقل کی ہے، وہیں حاشیہ پر اس روایت کی توجیہات بھی موجود ہیں اور صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا بھی وہاں فتوی نقل کیا ہے کہ لایسجد الرجل الا وھو طاھرٌ (کوئی آدمی بے وضو سجدہ نہ کرے۔) ظاہر ہے کہ صحابہ کا فتویٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے یا دیکھے بغیر صادر نہیں ہو سکتا۔ اور فتوے کو ترجیح ہوتی ہے نہ کہ خاص عمل کو..... .... حضرت ابن عمر کا یہ عمل کسی عذر کی بنا پر ہوگا۔ اسی وجہ سے انھوں نے لوگوں کے سامنے شک کو دور کر دیا۔[1] مگر مودودی صاحب کو جمہور کے حق میں کوئی دلیل نہیں ملی۔

مودودی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جن سلف کا آپ اختلاف نقل کر رہے ہیں وہ اختلاف اس وقت کا ہے جب اس کی گنجائش تھی۔ لیکن بعد میں پوری امت کا اجماع عملاً ایک فعل پر ہو گیا تو دوسری جانب کی گنجائش ختم ہو گئی، مگر مودودی صاحب کا قلم ہے کہ آزادی کے ساتھ چل رہا ہے ــــــــــ اجمالی طور پر یہ بات بھی روشنی میں آگئی کہ فقہ اور مسائل شرعیہ کے بیان میں مودودی صاحب کی راہ اہل سنت والجماعت کی راہ سے بالکل مختلف ہے۔ ان کی ہر بات پر آمنّا وصدّقنا کہنے والے بڑے خوش ہوں گے کہ ہمارے امیر صاحب نے سجدہ کے سلسلے میں عام اجازت دے دی خواہ باوضو کیا جائے یا بے وضو۔ دوسری طرف جمہور کے پاس بقول امیر جماعت کوئی دلیل بھی نہیں ہے، مگر مودودی صاحب جمہور کی بات بے دلیل بتا کر دھوکہ دے رہے ہیں اور اس سے بہت بڑی گمراہی پھیل سکتی ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔

---

[1] تفصیل کیلیے دیکھیے بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۴۶ مع حاشیہ نمبر (۵)۔

ایک نبی (علیہ السلام) سے فریضہ نبوت میں کوتاہی :

○ فلولا کانت قریۃ اٰمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس ـــــ کی تفسیر کرتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں :

" تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا"[1]

(نعوذ باللہ من ذالک) مودودی صاحب کیا بات فرما رہے ہیں، گویا مقام نبوت سے بالکل ناآشنا ہیں۔ دراصل علم کلام وغیرہ تو حاصل کیا نہیں اس لیے وہ نبی کے درجہ کو نہیں سمجھ پائے، اور کوتاہی کی نسبت وہ بھی فریضہ نبوت میں ایک پیغمبر خدا کی طرف کر دی ۔۔۔۔۔ اور عصمت نبی کو پامال کر ڈالا۔ اسی طرح دوسری جگہ مودودی صاحب نے حضرت یونس کے ایک عمل کو عدم جواز سے تعبیر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

نبیؑ سے عدم جواز کا صدور :

○ وذاالنون اذ ذھب مغاضبا ـــــ کے تحت لکھتے ہیں :

" وہ (یونس علیہ السلام) اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے قبل اس کے کہ خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم آتا اور ان کے لیے اپنی ڈیوٹی چھوڑنا جائز ہوتا"[2]

مودودی صاحب ایک پیغمبر کے بارے میں کس طرح کی زبان استعمال کر رہے ہیں اور یہ منسوب کر رہے ہیں کہ یہ فعل (ان کے لیے ڈیوٹی چھوڑنا) جائز نہیں تھا۔ لیکن انھوں نے عدم جواز کا خیال نہیں کیا (استغفر اللہ) قلم کی روانی میں مودودی صاحب کہاں

---

[1] تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۳۱۲ ؛ حاشیہ (۹۹)

[2] " " ۳ ص ۱۸۲ ۔

چلے گیے ۔

نبیؑ کی عصمت داغدار :

○ انی اعظک ان تکون من الجاھلین ـــــ اس ارشاد کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ حضرت نوح کے اندر روح ایمان کی کمی تھی یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پر قائم رہے جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے" [1]

مودودی صاحب کو بشری کمزوری کا کلمہ بہت یاد ہے۔ اپنی تفسیر میں جگہ جگہ صحابہ رض کے لیے استعمال کیا ہے مگر یہاں دیدہ دلیری دیکھیے کہ ایک پیغمبر کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام و دیگر انبیاء کے لیے بھی استعمال کیا ہے جو ہرگز انبیاء کے مقام بلند کے شایانِ شان نہیں ہے جس کو ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے۔

نبیؑ کی شان میں بے ادبی :

○ یٰبنی اسرائیل اذکروا ـــــ کی تفسیر کے تحت مودودی صاحب نے چند امور کو ذہن نشین کرایا ہے ـــــ (۵) میں لکھتے ہیں :

" اس کے بعد اب انھیں بتایا جا رہا ہے کہ امامت ابراہیم کے نطفہ کی میراث نہیں ہے" [2]

---

[1] تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۳۴۳۔

[2] " " ۱ ص ۱۰۹۔

مودودی صاحب نے اپنے ادب کی رو میں کیسا بے ادب جملہ استعمال کیا ہے۔ ایک اولوالعزم پیغمبر کے لیے یہ گستاخانہ جملہ ایک عجیب بات ہے اور یہ غمازی کر رہا ہے کہ مودودی صاحب کے ذہن میں بڑے سے بڑے کی بڑائی نہیں ہے گویا عظمت کو جانتے ہی نہیں۔

رعایت حالی کی ادنیٰ تمیز نہ رکھنے کے باوجود کس طرح لوگ مودودی صاحب کو صاحب طرز ادیب کہتے ہیں ـــــ حیرت ہے۔

صحابہ رضؓ پر طعن :

○ یاایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ ـــــ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"احد" کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقعہ پر مال کی طمع سے مغلوب ہوگئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے" ـــــــــــ آگے لکھتے ہیں :

"سود خواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خواری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ سود لینے والوں میں حرص و طمع، بخل اور خود غرضی۔ اور دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض و حسد احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا" [1]

مودودی صاحب نے صحابہ رضؓ پر کس طرح الزام تراشی کی ہے اور جمہور مفسرین سے ہٹ کر احد کی شکست کا ایک نیا سبب بیان کیا جس کی دوسرے مفسرین کو ہوا بھی نہ لگی وہ صحابہ رسول ﷺ جو مدار حق ہیں ان کی کس طرح تنقیص کی ہے جس سے قلعۂ اسلام متزلزل ہو جاتا ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن جلد ۱ ص ۲۸۵-۲۸۷۔

معاد کی تفسیر اقتدار سے :

○ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الیٰ معاد ———— اس آیت پر تفسیری نوٹ لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں :

"اللہ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ اے نبی جس خدا نے اس قرآن کی علم برداری کا بار تم پر ڈالا ہے وہ تمہیں برباد کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ تم کو اس مرتبے پر پہنچانے والا ہے جس کا تصور بھی یہ لوگ آج نہیں کر سکتے اور فی الواقع اللہ تعالیٰ نے چند ہی سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں انھیں لوگوں کے آنکھوں کے سامنے تمام ملک عرب پر ایسا مکمل اقتدار عطا کر کے دکھا دیا کہ آپ کی مزاحمت کرنے والی کوئی طاقت وہاں نہ ٹھہر سکی"۔

(مودودی صاحب نے معاد سے سیاسی اقتدار مراد لیا ہے۔ مزید آگے لکھتے ہیں)۔

"بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سورہ قصص کی یہ آیت مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے راستہ میں نازل ہوئی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ کو پھر مکہ واپس پہنچائے گا۔ لیکن اول تو اس لفظ میں کوئی گنجائش اس امر کی نہیں ہے کہ معاد سے مکہ مراد لیا جائے"۔ (بخاری ونسائی وغیرہ کی ایک روایت میں معاد سے صراحۃً مکہ مراد لیا گیا ہے مودودی صاحب اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"یہ روایت اگرچہ بخاری ونسائی، ابن جریر اور دوسرے محدثین نے ابن عباس سے نقل کی ہے لیکن یہ ہے ابن عباس کی اپنی ہی رائے۔ کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے کہ اسے ماننا لازم ہو"۔ [1]

اس تفسیری نوٹ میں مودودی صاحب نے سارا زور لفظ معاد سے سیاسی اقتدار مراد

---

[1] ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۶۶۶-۶۶۷، حاشیہ (۱۰۸) سورہ قصص۔

لینے پر صرف کر دیا ہے اور چونکہ بخاری اور نسائی وغیرہ میں جو تفسیر مفسر قرآن ابن عباس سے نقل کی ہے وہ اس مفہوم کے خلاف تھی۔ اس لیے یہ کہہ کر اپنے لیے راستہ صاف کر لیا کہ یہ تو ابن عباس کی اپنی رائے ہے کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے کہ ماننا لازم ہو۔

صحابی رسول کی سمجھ کے خلاف اپنی سمجھ کو بہتر سمجھتے ہوئے قرآن کے الفاظ کی ایسی تفسیر کر دینا جس سے خود ساختہ نظریہ حکومت الہیہ کے لیے زمین ہموار ہو سکے، کیا تفسیر بالرائے نہیں ہے؟ جب کہ صحابی کا قول خاص کر الفاظ قرآن کے سلسلے میں بغیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے نہیں ہو سکتا۔ مگر مودودی صاحب کو تو آیت سے اپنا نظریہ مدلل کرنا ہے۔

بہر حال بطور نمونہ یہ چند چیزیں پیش کی گئی ہیں۔ تفصیل سے بغور مطالعہ کرنے والا اس طرح کی چیزوں کو تفہیم القرآن میں نمایاں طور پر محسوس کر لے گا۔ دراصل مودودی صاحب کی اس تفسیر سے ملت کا ایک اچھا خاصہ طبقہ اھل سنت والجماعت کے طریقے سے بھٹک سکتا ہے مودودی صاحب کو قرآن کے سلسلے میں ایسی آزاد روش ہرگز ہرگز اختیار نہ کرنی چاہیے تھی۔ ؎

ہر کم نظر کو دعویٰ تفسیر الاماں
اب آبروئے شیوۂ اھل نظر گئی

مودودی صاحب کی دین میں جدت طرازی اور خانہ ساز اصطلاحات کی نئی تشریح

مودودی صاحب کے نزدیک قرآن پاک کے چار بنیادی الفاظ (الٰہ، رب، عبادت دین) کی تفہیم و تشریح میں پوری انقلابی دعوت مستور ہے اور عرصۂ دراز سے ان کا مفہوم لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل ہے۔ اس لیے ان میں انقلابی تصور بیدار نہیں ہوتا۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ "الٰہ" کے کیا معنی ہیں اور "رب" کسے کہتے ہیں" ــــــ آگے لکھتے ہیں:

"عبادت" سے کون سا رویہ مراد ہے اور "دین" کا کیا مفہوم ہے۔ اس لیے

جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ تو انھیں قرآن کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی وہ سنتے ہی سمجھ گیے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے۔

لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گیے۔ یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لیے الٰہ اور ربّ اور دینؔ اور عبادتؔ کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے"

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :

"پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد اور اعمال میں جو نقائص نظر آرہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے لہٰذا قرآن مجید کی مرکزی تعلیم اور اس کے حقیقی مدعا کو واضح کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان اصطلاحوں کی پوری پوری تشریح کی جائے"[1]

تبصرہ یہ مودودی صاحب کی عبارت ہے ان کے فکر کی بنیادی کتاب "قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں" کے مقدمہ سے لی گئی ہے، ذرا حقیقت بیں چشمہ لگا کر سر کی نگاہ سے بغور ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس کی زد کہاں کہاں پڑ رہی ہے گویا دور میں امت مسلمہ کا تحریری سرمایہ اس سے یکسر خالی رہا۔

---

[1] دیکھیے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں از ص۶ تا ص۸۔

نیز قرن اول، سے قرن آخر کی طرف جو دین منتقل ہوا ہے اس کا تسلسل بھی باقی نہ رہا اور بیچ کی صدیوں میں آنے والی مسلم قوم قرآن پاک کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم سے محروم رہی اس میں عربیت کے ذوق کی کمی تھی۔

چودہ صدی کے بعد ایک عجمی النسل آیا اس کو ذوق عربیت ملا، اور اس نے قرآن پاک کو تختۂ مشق بنایا جس کو تفسیری علوم تو کیا ادبی علوم پر بھی قدرت نہ تھی۔ یہ ہیں جماعت کے امیر اول مودودی صاحب جنھوں نے قرن اول سے لے کر اب تک کے سارے محققین کو پیچھے چھوڑ دیا اور وہ قرآن پاک سے چار اصطلاحات نکال لائے۔ اور قرآن کی مستور تعلیم کو نئی نسل کے سامنے پیش کیا اور صدیوں کے بعد ان الفاظ کی عقدہ کشائی ہوئی ——— کس قدر تعجب کی بات ہے ——— حالانکہ قرآن کی شان یہ ہے:

لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ، (حٰمٓ سجدہ)　　کوئی غیر واقعی بات قرآن میں نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہیں اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے:

اگلے صفحات میں:

مودودی صاحب اصطلاح الٰہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بس الوہیت کی اصل روح اقتدار ہے"۔

آگے رب کی تشریح میں لکھتے ہیں: (چند آیات پیش کرنے کے بعد)

"ان آیات کو سلسلہ وار پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن ربوبیت کو بالکل حاکمیت اور سلطانی کا ہم معنی قرار دیتا ہے۔

دین کا مفہوم مودودی صاحب نے اسٹیٹ کے قریب قریب بتایا ہے"۔[1]

اقامت دین کا مطلب ہے اسٹیٹ قائم کرنا۔

ان اصطلاحات کے مفہوم میں مودودی صاحب نے عجیب گل کھلائے ہیں۔ ان اصطلاحات

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص۹۳۔

میں مودودی صاحب کو اقتدار، حاکمیت اور سلطانی وغیرہ دکھائی دی، دوسرے مفسرین کی نظر وہاں تک نہ پہنچ سکی۔ معلوم ہونا چاہیے کہ الٰہیت کی اصل روح اور الٰہ کا اصل مفہوم ہے فریفتگی، اشتیاق اور احتیاج کے جذبے سے کسی کی طرف لپکنا۔ نیز "تحیر" کے معنی بھی آتے ہیں[1]

ربوبیت کے مفہوم میں حاکمیت ہرگز داخل نہیں جیسا کہ کتب لغات شاہد ہیں۔ اقتدار بھی اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ اقتدار تو الوہیت اور ربوبیت کا ایک تقاضا ہے جس کو مودودی صاحب نے مرکزی معنی بنا کر پیش کیا ہے جب کہ اس سے مفہوم الٹ جاتا ہے جس کی مثال ایسی ہے جیسے ـــ کسی پودے کو جڑ کے بجائے شاخوں کی طرف سے کہیں بو دیا جائے، تو ظاہر بات ہے کہ وہ سوکھ جائے گا ـــــــ اور عبادت کا اصل مفہوم خشوع و خضوع اور پرستش ہے جیسا کہ آیات اور روایات اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ اور بندگی یا اطاعت اس عبودیت کا خارجی مظہر ہیں۔

ایسے ہی دین کا لفظ سارے احکام اسلامی کا عنوان ہے۔ مودودی صاحب کا اقامت دین اسٹیٹ قائم کرنے کے پہلو کو غالب قرار دینا اور اصل دعوت نبوت اسی کو ٹھہرانا کہ انبیاء پہلے دن سے اسی دعوے کے ساتھ کام کرتے تھے صحیح نہیں بلکہ یہ سلف و خلف کے خلاف ہے۔

مودودی صاحب کی خطرناک غلطی

قرآن میں یہ الفاظ (الٰہ، رب، عبادت دین) سیکڑوں جگہ آئے ہیں۔ مودودی صاحب کی اس نئی تشریح کے مطابق ان سب کلمات کی تفسیر تفسیر بالرائے بن کر رہ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مودودی صاحب کی انتہائی خطرناک غلطی ہے۔ موصوف کی یہ بات تسلیم کرنے کے بعد قرآن کی ساری تعلیم بلکہ سارا دین غیر مستند، مشتبہ، ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے۔ مزید براں کلمۂ طیبہ کا مطلب اور مدعا بھی گویا صدیوں سے ناقص اور غلط سمجھا جاتا رہا۔ کیوں کہ کلمہ طیبہ میں ان کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح "الٰہ" کا ذکر ہے۔ اس کا بھی صحیح مطلب لوگوں نے

---

[1] بیضاوی سورہ بقرہ ص۵ لفظ اللّٰہ کی تشریح میں دیکھیں اور لسان العرب جلد ۱۷ ص۱۶۱ بھی ملاحظہ کرلیں۔

نہیں سمجھا۔

مودودی صاحب کی یہ فکر ان کو کہاں لے جائے گی۔ اس سے تو ملحدین کے لیے دروازہ کھل جائیگا کہ وہ لغت کی کتابوں کا سہارا لیکر اپنی زور بیانی سے پورے دین کو مسخ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ چکڑالوی اور دیگر منکرین حدیث نے کیا کہ عربی زبان میں رسول کے معنی محض قاصد اور پیام پہنچانے والے کے ہیں اور رسول کی صرف یہی حیثیت ہے کہ وہ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دے۔ ـــــــ اور اہل حق کا جو عقیدہ ہے کہ وہ معصوم ہے اور اس کی اطاعت فرض ہے اس کو وہ مولویوں کی ایجاد مانتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

تنبیہ مودودی صاحب اپنے مشن کو پھیلا کر تجدید دین کرنا چاہتے ہیں مگر یہ تجدید دین نہیں بلکہ تجدد ہے۔ اسلاف سے کٹ کر الفاظ قرآن کی انوکھی تفسیر کرنا اور اسلام میں نئی روشنی پیدا کرنا ہے جو بہت بڑی گمراہی کا سبب ہے۔

سرسید احمد خان نے جب اپنی تفسیر القرآن لکھی اور اس میں آیات معجزات[عہ] جنت جہنم وغیرہ کی خود ساختہ عجیب تشریحات کیں جن کی علماء امت کو ۱۴ صدیوں سے ہوا بھی نہ لگی تھی۔ تو لوگوں نے ان کو آڑے ہاتھوں لے لیا۔

خود مودودی صاحب کا ذہن صاف تھا جماعت بنی نہیں تھی۔ کسی نظریہ کی عینک ابھی ان کی نگاہوں پر نہیں لگی تھی۔

عہ سرسید احمد خاں کی تفسیر کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ آیت "واضرب بعصاک الحجر" (اور اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو) کا مطلب سرسید نے یہ بیان کیا ہے کہ لاٹھی کے سہارے اس چٹان پر چلو، اس میں اضرب کے معنی (مارو) کے بجائے (چلو) اور الحجر کے معنی پتھر کے بجائے "چٹان" بیان کرنا ایک زبردستی ہے۔ جس کی محاورات عرب بالکلیہ تردید کرتے ہیں۔
مثلاً ضرب جب چلنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے ساتھ فی ضرور ہوتا ہے الحجر پر فی ہونا چاہیئے تھا۔ سرسید صاحب کے اس ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن ص ۹۱ جلد ۱، (مطبوعہ لاہور)

اتفاق سے ایک علیگیرین نے سرسید اور عبداللہ چکڑالوی کو اپنے مضمون میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ جیسے حضرات کی صف میں لاکھڑا کیا۔ مودودی صاحب اپنی سلامت روی کے نتیجہ میں اس پر خوب ناراض ہوئے اور لکھا:

"سچ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے اب تک جس قدر گمراہیاں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں ان سب کا شجرہ نسب بالواسطہ یا بلا واسطہ سرسید کی ذات تک پہنچتا ہے۔ وہ اس سرزمین میں تجدد کے امام اول تھے اور پوری قوم کا مزاج بگاڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ رہے مولوی عبداللہ چکڑالوی تو ان کو قرآن کا بڑا عالم کہنا قرآن پر ظلم ہے۔" [1]

اب مودودی صاحب قرآن پر اپنی نئی تحقیق و ریسرچ کو مدنظر رکھ کر اپنے بارے میں خود فیصلہ کریں، کہیں مسلمانوں کو گمراہی کی راہ پر تو نہیں ڈالا جارہا ہے اور ان کے مزاج بگاڑا جارہا ہے! واقعۃً داعیانہ اسلوب میں گمراہی کا پرفریب طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام ان مذکورہ تصریحات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ سلف و خلف سے اختلاف کر کے مودودی صاحب تفسیر بالرائے کی وادی میں جا پڑے، خاص کر چار الفاظ کو اصطلاح قرار دے کر جن مفہومات کا انہوں نے تعین کیا ہے وہ نہ حضورؐ سے ثابت ہیں اور نہ صحابہ کرام رضؓ سے منقول ہیں۔ رہیں بعد کی صدیاں ان میں نہ ملنے کا خود مودودی صاحب کو اعتراف ہے جس سے بیچ کی صدیوں میں قرآن کی حفاظت بھی مخدوش ہوجاتی ہے لہٰذا اس مودودیت کو ایک نیا مذہب کہا جاسکتا ہے جس سے علماء و عوام سب ناواقف تھے۔ اس صدی میں وجود میں آیا۔ ظاہر ہے کہ اس کے ماننے والی جماعت کا ایک نیا دینی مزاج ہوگا۔ جو اس مزاج سے مختلف ہوگا جو اسوۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنانے کی برکت سے تیار ہوتا ہے۔

---

[1] مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت ص ۹۲-۹۳ بحوالہ ترجمان القرآن بابت شوال ۱۳۵۹ھ

ہمیں تو وہ دین چاہیے جو علی سبیل التوارث اس وقت تک چلا آرہا ہے جس کو ہر دور میں قرآن سے روشنی ملتی رہی۔ اور قرناً بعد قرنٍ انہی خد و خال کے ساتھ ہم تک پہنچا جیسا کہ حضورؐ نے پیش فرمایا تھا۔ اسلاف سے ہٹ کر اپنی ذہنی اپج سے دین کا نیا خاکہ تیار کر کے پیش کرنا اپنے آپ کو اور ملت کو ہلاکت و ضلالت میں ڈالنا ہے۔

دراصل جادۂ مستقیم سے انحراف کر کے کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا ہمیں کامیابی کے لیے عہد کہن کی طرف لوٹنا ہوگا۔ خیرالقرون کے طور و طریق اپنانے ہوں گے۔ کیوں کہ ـــــ لن یصلح اٰخر هذه الامة الا بما صلح به اولها۔

بعد والوں کی اصلاح اسی سے ہو سکتی ہے جس سے پہلوں کی اصلاح ہوئی۔ کسی نئے دین سے نہیں۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه اٰمین یا رب العالمین

[خوش نویس ـــــ محمد نسیم سیتاپوری "خانقاه" دیوبند ۹۲ء]

سید شمس الاسلام

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

تیسرا محاضرۂ علمیہ

بر موضوع



پیش کردہ

جناب مولانا عبدالخالق سنبھلی صاحب

استاذ فقہ و ادب دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین



نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ، وبعد :

سب جانتے ہیں کہ خدمتِ اسلام کے نام پر آئے دن نئی نئی تحریکیں اور تنظیمیں دنیا میں جنم لیتی رہتی ہیں جن کے ارباب بست وکشاد کچھ اصول وضع کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں وہ کام کو آگے بڑھاتے ہیں ان کا ایک مطمحِ نظر اور خاص نصب العین ہوتا ہے جس کے لیے ان کی ساری دوڑ دھوپ ہوتی ہے اسلام اور تعلیماتِ اسلام کے دائرہ میں رہ کر دین اسلام کی یہ خدمت بڑی خوش آیند ہے ، اور امت مسلمہ برابر کرتی چلی آرہی ہے ۔

مگر اس خدمت اسلام کے نام پر کسی اسلامی تنظیم کا ایسی راہ متعین کرنا جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو مزید برآں عوام کو یہ باور کرانا کہ یہی طریقہ صحیح ہے اور قرآن وسنت کے عین مطابق ہے سرتا سر گمراہی اور بڑا ظلم ہے ،

اس سے بڑھکر ظلم یہ ہے کہ کتاب وسنت کو کھینچ تان کر اپنے نظریات کے مطابق ڈھالا جائے جماعت اسلامی اور اس کے بانی جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اسی طرح کی خدمات انجام دی ہیں ، ساتھ ساتھ مودودی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم پورے حق کو لے کر چلنا چاہتے ہیں دوسرے گروہ حق کے کسی ایک جز کو لیکر چلے ہیں چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں ،

الحمدللہ کہ مسلمانوں میں ابھی تک صحیح العقیدہ لوگوں کی ایک خاص تعداد پائی جاتی ہے ، ان لوگوں کے پاس حق موجود ہے مگر فرق بس اتنا ہے کہ عموماً مختلف گروہ کسی جز حق کو لے کر چل رہے ہیں ، بخلاف اس کے ہم پورے حق کو لے کر چلنا چاہتے ہیں [1]

جماعت کا نصب العین

آج کا ہمارا موضوع سخن جماعتِ اسلامی کا نصب العین ہے ، ابتدائی تاسیس کے وقت جماعت کا ایک دستور تیار کیا گیا ، اولاً اس میں جماعت کے عقیدہ کو واضح کیا گیا ہے اس کے بعد نصب العین کی تصریح اور تشریح ان الفاظ

---

[1] روداد جماعتِ اسلامی حصّہ دوم مرتبہ سید ابوالاعلیٰ مودودی

میں درج ہے،

نصب العین

جماعت اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی وجہد کا مقصود دنیا میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضاءِ الٰہی کا حصول ہے،

اس کے بعد اس حصہ کی تفصیل دستور میں یوں درج ہے:

تشریح جہاں تک امرِ تکوینی کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی حکومت آپ اپنے زور پر قائم ہے اور اس سے بالاتر ہے کہ معاذ اللہ اس کا قیام وبقا بندوں کی مدد کا محتاج ہو (آگے لکھتے ہیں) دوسری مخلوقات کی طرح انسان بھی خواہ مومن ہو یا کافر اللہ کی تکوینی حکومت کے تحت محض ایک بندۂ مجبور ہے، لہٰذا حکومت الٰہیہ کے قیام سے مراد اللہ کی تکوینی حکومت کا قیام نہیں ہے

حکومت الہیہ سے مُراد شرعی حکومت جماعت کا نصب العین حکومت الٰہیہ کے قیام کو قرار دیا ہے، اس سے مودودی صاحب کی مراد شرعی حکومت کا قیام ہے جس کا تعلق انسان اور انسانی زندگی سے ہو۔ چنانچہ "دستور" میں لکھتے ہیں

دراصل اس (حکومت الہیہ کے قیام) سے مراد اللہ کی شرعی حکومت کا قیام ہے جس کا تعلق صرف انسان سے ہے، اور انسان کی زندگی کے بھی اس حصہ سے ہے جسمیں اللہ نے انسان کو اختیار عطا کیا ہے۔ [1]

(دستور میں آگے تحریر ہے):۔

"مومن کی زندگی کا مشن یہ ہے کہ جس طرح خدا کا قانون تکوینی تمام کائنات میں نافذ ہے اسی طرح خدا کا قانون شرعی بھی عالم انسانی میں نافذ ہو [2]

حکومت الہیہ واقامت دین جماعت کے نصب العین کے لیے حکومت الہیہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ نیز اقامت دین (اسٹیٹ کا قیام) بھی اپنے اس نصب العین کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مودودی صاحب کی تحریروں میں دونوں فقرے ملتے ہیں۔ مگر مراد ایک ہی ہے۔ خاص کر ہندوستان کے سربراہان جماعت نے حکومت الہیہ کے بجائے

---

[1] دستور جماعت اسلامی ص۵ مطبوعہ لاہور [2] ایضاً " " ص۹ " " "

اقامت دین کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اور تقسیم ہند کے بعد نصب العین کے فقرے میں کچھ تبدیلی کر دی ہے۔ اور اس کو مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

"جماعتِ اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی وجہد کا مقصود دنیا میں اقامت دین (اللہ کے دین کو قائم کرنا) اور آخرت میں رضاء الٰہی کا حصول ہے"

"دستور جماعت میں اس سے پہلے اقامت دین کے بجائے حکومت الٰہیہ کا لفظ تھا جو دراصل اسی مفہوم میں استعمال کیا گیا تھا جو اقامت دین کا تھا۔ لیکن چونکہ حکومت الٰہیہ کے لفظ کے سمجھنے میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور کرائی جاتی ہیں اسی لیے ضرورت سمجھی گئی ہے کہ اپنے نصب العین کے اظہار کے لیے ایسا لفظ اختیار کیا جائے جو قرآن کا اصطلاحی لفظ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے تمام مفہوموں پر حاوی ہو اور کسی غلط فہمی کا باعث بھی نہ ہو" [1]

تقسیم ہند کے پانچویں سال یہی بات مولانا ابواللیث اصلاحی سابق امیر جماعت اسلامی ہند نے اپنے مقالہ میں کہی ہے جو ۲۲ / اپریل ۱۹۵۲ء کو کل ہند اجتماع جماعتِ اسلامی منعقدہ رامپور کے آخری اجتماع میں پڑھ کر سنایا گیا تھا۔

وہ لکھتے ہیں:

بعض لوگ اپنی ناواقفیت کی بناء پر یا دیدہ و دانستہ ہمارے بارے میں غلط فہمی رکھتے اور پھیلاتے ہیں کہ ہم نے اس چیز کو اپنا مقصود ٹھہرایا ہے، جو شریعت میں مقصود نہیں ہے اور اس کے لیے وہ لفظ "حکومت الٰہیہ" کی آڑ پکڑتے ہیں جس کو ہم عام فہم لفظ سمجھ کر مذکورہ بالا قرآنی تعبیر کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں، ان کے نزدیک حکومت کے معنیٰ صرف سیاسی اقتدار و غلبہ کے ہو سکتے ہیں۔

چند سطروں کے بعد یوں لکھتے ہیں:۔

ہم نے اس لفظ کو اس کے اصل لغوی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ اور اس کے لحاظ سے اس کا مفہوم وہی ہے جو اسلام میں اقامت دین یا شہادت حق کا ہے۔

---

[1] بحوالہ تفہیم القرآن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص ۴۹-۵۰

چونکہ ہمارا مقصود کوئی لفظ نہیں بلکہ اس کا معنیٰ ہے اس لیے یہ دیکھتے ہوئے کہ خواہ مخواہ اس لفظ سے کچھ لوگوں کو نیک نیتی سے غلط فہمی لاحق ہوتی ہے۔ اور کچھ لوگ اس کو اپنی مخالفت کا بے جا طور سے بہانہ بناتے ہیں۔ ہم نے بالقصد اس کی بجائے اقامتِ دین اور شہادتِ حق وغیرہ کے لفظ استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ لہ

دین کا تصور مودودی مکتبِ فکر میں

مودودی صاحب نے دین کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں اقتدار کو بنیادی حیثیت دی ہے، اور اقامت دین کا مفہوم انہوں نے اسٹیٹ کا قیام لیا ہے جس سے پورا دین سیاسی بن کر رہ گیا ہے۔ گویا سارے ارکانِ اسلام حکومت کے لیے تمہید ہیں اور ان کے نزدیک اسلام کا مدعا ہی اپنے نظریہ اور مسلک کی حکومت قائم کرنا ہے، چنانچہ دین کے سلسلے میں وہ لکھتے ہیں :۔

"دین کا لفظ قریب قریب وہی معنیٰ رکھتا ہے جو زمانہ حال میں اسٹیٹ کے معنیٰ ہیں لوگوں کا کسی بالاتر اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرنا، یہ اسٹیٹ ہے۔ یہی دین کا مفہوم بھی ہے۔ اور دین حق یہ ہے کہ انسان دوسرے انسان کی خود اپنے نفس کی اور تمام مخلوقات کی بندگی و اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اس کی بندگی و اطاعت اختیار کرے۔ پس درحقیقت اللہ کا رسول اپنے بھیجنے والے کی طرف سے ایک ایسے اسٹیٹ کا نظام لے کر آیا ہے جس میں نہ تو انسان کی خود اختیاری کے لیے کوئی جگہ ہے نہ انسان پر انسان کی حاکمیت کے لیے کوئی مقام بلکہ حاکمیت و اقتدار اعلیٰ جو کچھ بھی ہے صرف اللہ کے لیے ہے۔ ٢ہ

اسی طرح کی بات مودودی صاحب اپنی فکر کی بنیادی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں بعنوان "دین ایک جامع اصطلاح" میں لکھتے ہیں :۔ وہ (قرآن) لفظ دین کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے پیش کرتا ہے (آگے لکھتے ہیں) :۔

لہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جماعت اسلامی اسکا مقصد اور طریقہ کار از مولانا ابواللیث اصلاحی ص۱۵ تا ۱۷

٢ہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم،

غالباً دنیا کی کسی زبان میں کوئی اصطلاح ایسی جامع نہیں ہے جو اس پورے مفہوم پر حاوی ہو۔ موجودہ زمانہ کا لفظ "اسٹیٹ" کسی حد تک اسکے قریب پہنچ گیا ہے [1]

بقول مودودی صاحب اسلام کا مدعا

مودودی صاحب کے نزدیک اسلام کا مدعا ہی حکومت قائم کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں: — وہ (اسلام) اس سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا کہ زمین پر ایک سلطنت کا قبضہ رہے یا دوسری سلطنت کا اس کو دلچسپی جس چیز سے ہے وہ محض انسانیت کی فلاح ہے۔ اس فلاح کے لیے وہ اپنا ایک خاص نظریہ اور ایک عملی مسلک رکھتا ہے۔ اس نظریہ اور مسلک کے خلاف جہاں جس چیز کی حکومت بھی ہے اسلام اس کو مٹانا چاہتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی قوم ہو اور کوئی ملک ہو۔ اس کا مدعا اپنے نظریہ اور مسلک کی حکومت قائم کرنا ہے۔ بلالحاظ اس کے کہ کون اس کا جھنڈا لے کر اٹھتا ہے اور کس کی حکمرانی پر اس کی ضرب پڑتی ہے۔ [2]

تبصرہ

مودودی صاحب کو اسلام کے اس مدعا کو ثابت کرنے کے لیے بڑا زور لگانا پڑا ہے جس سے اسلام کی نئی تشریح اور قرآن کی ایک نئی تفسیر کا نمونہ سامنے آجاتا ہے جس کی مثال اسلاف میں نہیں ملتی۔ اس تشریح میں سیاسی رنگ غالب ہے۔ جو حاکمیتِ الٰہ اور سلطانی رب کے گرد گھومتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی دعوت اور نزول قرآن کا مقصد حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہے۔ بلکہ مودودی صاحب نے قرآن مجید کی مرکزی تعلیم اور اس کا حقیقی مدعا بھی اسی کو قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ خود ساختہ اصطلاحات کا قرآن پاک سے ایک نیا مفہوم نکالا ہے۔ اور اپنی تفسیر میں بھی جگہ جگہ ان کی سیاسی تشریح کی ہے۔ ان مخصوص الفاظ (الٰہ، رب، عبادت، دین) کے سلسلہ میں مودودی صاحب نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ:۔

ملت اسلامیہ ان الفاظ کے صحیح مفہوم اور مضمرات سے مدتوں ناآشنا رہی ہے۔ مگر یاد رہے کہ اس دعوے سے قرآن پاک کے سلسلے میں خدائے برتر کا جو وعدہ ہے کہ ہم اس کے محافظ

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۹۲-۹۳

[2] تفہیمات ج ۱ ص ۶۳۔

ہیں براہ راست اس پر زد پڑتی ہے کہ علماءِ اسلام میں سے صدیوں کوئی ان کو چھو نہ سکا۔ ان کے مفاہیم کسی غار میں چھپے رہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)۔

ان الفاظ قرآنی کے سلسلے میں مودودی صاحب کو اپنی تفسیر لکھنے کے وقت الگ سے ایک کتاب لکھنی پڑی۔ کیوں کہ یہ اسلاف سے ہٹ کر ایک نئی تشریح تھی۔ اور اپنے نصب العین کو قرآن پاک میں داخل کرنا تھا۔ اپنی کی جماعت کے ایک ترجمان لکھتے ہیں:۔

جس زمانے میں مولانا تفہیم القرآن لکھ رہے تھے اسی زمانے میں انہوں نے قرآن مجید کی بعض اصطلاحات کی صحیح مفاہیم متعین کرنے کے لیے تحقیق کی۔ ان اصطلاحات میں "الٰہ، رب، دین اور عبادت شامل ہیں۔[1]

مودودی صاحب کے نزدیک دین اسلام ایک سیاسی تحریک ہے جو زمین پر خدائے برتر کا اقتدار اعلیٰ قائم کرنے کے لیے برپا کی گئی ہے۔ اسی لیے مودودی صاحب نے الوہیت و اقتدار کو لازم و ملزوم اور ربوبیت کی اصل روح اقتدار کو قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ دونوں روح و معنیٰ کے اعتبار سے ایک ہی چیزیں ہیں[2]

رب کی اصل تعریف موصوف کے نزدیک اقتدار اعلیٰ اور عبادت و عبودیت اس اقتدار اعلیٰ کی اطاعت اور وفاداری کا نام ہے انبیاء اس مقتدر اعلیٰ کے نمائندے ہیں۔ گویا انسانوں کی حیثیت اس مالک الملک کی رعیت کی ہے۔ حالانکہ بندگانِ خدا خدا کی اطاعت و عبادت اُنس، الفت اور مشتاقانہ کشش کے ساتھ کرتے ہیں۔ رعایا کی طرح مجبور ہو کر نہیں

ع : الفت میں تب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بے قرار۔

قرآن پاک کی آیت:۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اقتدار کے عقیدے کا اثر

اس تشریح کا نتیجہ یہ رونما ہوا کہ شریعت میں جو افعال و عبادت مشروع ہیں ان کی اہمیت خود بخود کم ہو گئی ہے۔

---

[1] اقبال اور مودودی ایک فکری مطالعہ ص ۲۲۹ [2] ملاحظہ ہو قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۱۹ تا ۲۵

خود مودودی صاحب نے ارکان اربعہ کو ٹریننگ کورس قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

دراصل صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ اور ذکر و تسبیح انسان کو اس بڑی عبادت کے لیے مستعد کرنے والی تربیات (TRAINING - COURSES) ہیں۔ [1]

ایک دوسری جگہ مودودی صاحب زیر عنوان "اسلام میں مراسم عبادت کی حیثیت کیا ہے"؟ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"ان کو عبادت کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہی عبادت ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس اصلی عبادت کے لیے آدمی کو تیار کرتی ہیں۔ یہ اس کے لیے لازمی ٹریننگ کورس ہیں۔ [2]

مودودی صاحب نے اقتدار و جہاد کو اسلام میں مرکزی مقام دیا ہے اور عبادت کو غیر اہم قرار دیا ہے۔ جب کہ دین اسلام میں وہ مطلوب و مقصود ہیں اور حضور کو محبوب ہیں جنکے بارے میں دسیوں آیات و احادیث میں ترغیب وارد ہوئی ہے۔ ان عبادات میں منہمک رہنے والوں اور ان کا اہتمام رکھنے والوں کا ذکر مقام تعریف میں کیا گیا ہے۔ اور غفلت برتنے والوں کی مذمت کی گئی ہے مگر مودودی صاحب ان سب کو ثانوی درجہ کی چیز سمجھتے ہیں۔ اصل ہے سیاسی اقتدار و غلبہ کا حصول بلکہ ان عبادات میں انہماک رکھنا مودودی صاحب دین سے ناواقفیت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی بعض تحریروں میں تو نماز و ذکر کی کثرت اور نوافل میں زیادہ مشغول رہنے والوں پر طنز و تعریض کی جھلکیاں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ مودودی صاحب کی تحریر کا ایک تراشا پیش ہے اس میں ایسا تمسخر اڑایا ہے جس سے روحِ ایمان کانپ جاتی ہے عوام کی بدعنوانیاں ظاہر کرنے کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

"خواص نے اس کے برعکس دوسرا راستہ اختیار کیا وہ تسبیح و مصلیٰ لے کر حجروں میں بیٹھ گئے۔ خدا کے بندے گمراہی میں مبتلا ہیں، دنیا میں ظلم پھیل رہا ہے، حق کی روشنی پر باطل کی ظلمت چھائی جا رہی ہے خدا کی زمین پر ظالموں اور باغیوں کا قبضہ ہو رہا ہے۔ الٰہی قوانین کے

---

[1] تفہیمات ج ۱ ص ۵۶ [2] اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر از ابو الاعلیٰ مودودی حصہ ا، ص ۱۲

بجائے شیطانی قوانین کی بندگی خدا کے بندوں سے کرائی جارہی ہے۔ مگر یہ ہیں کہ نفل پر نفل پڑھ رہے ہیں۔ تسبیح کے دانوں کو گردش دے رہے ہیں، ہوحق کے نعرے لگا رہے ہیں قرآن پڑھ رہے ہیں مگر محض ثواب تلاوت کی خاطر حدیث پڑھتے ہیں مگر صرف تبرکاً، سیرت پاک اور اسوۂ صحابہ پر وعظ فرماتے ہیں مگر قصہ گوئی کا لطف اٹھانے کے سوا کچھ مقصود نہیں۔ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ کا سبق نہ ان کو قرآن میں ملتا ہے نہ حدیث میں، نہ سیرت پاک میں، نہ اسوۂ صحابہ میں۔ کیا یہ عبادت ہے؟ آگے لکھتے ہیں

اگر عبادت یہی ہے جو تم کر رہے ہو، اور اللہ کی عبادت کا حق اسی طرح ادا ہوتا ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ عبادت تم کرو اور زمین کی حکومت وفرمانروائی دوسروں کو ملے۔ ؎۱

سمجھ میں نہیں آتا کہ مودودی صاحب جنون اقتدار میں کیا کیا کہہ رہے ہیں:۔

مودودی صاحب کی خوش فہمی اور اس کے اثرات

مودودی صاحب نے اپنا نصب العین حکومت الہیہ کے قیام کو قرار دیا ہے بڑی خوش آیند تھی یہ بات کہ وہ عرفان وعبادت کو اصل قرار دے کر حکومت الہیہ کو اس کا وسیلہ قرار دیتے، مگر انہوں نے حکومت الہیہ کو اصل قرار دیکر عبادات کو اس کا تربیتی نصاب بنا دیا، گویا وسیلہ کو اصل قرار دیدیا اور اصل کو وسیلہ۔ اس پر طرہ یہ کہ مودودی صاحب اپنی دعوت وتحریک کو قرآن وانبیاء والی دعوت قرار دے رہے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

ہماری دعوت کی طرح ہمارا یہ طریق کار بھی دراصل قرآن اور انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے ماخوذ ہے ؎۲ (آگے لکھتے ہیں)

جس چیز کی طرف میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں اور جو طریق کار اس کے لیے پیش کر رہا ہوں آیا قرآن کی دعوت وہی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریق کار بھی وہی رہا ہے یا نہیں اگر قرآن وسنت سے یہ ثابت ہو جائے اور آپ کے نزدیک قرآن وسنت ہی اصل ذریعہ ہدایت ہوں تو میری بات ماننئے اور میرے ساتھ آجائیے۔ اور اگر اس دعوت اور طریق کار میں

؎۱ تفہیمات ج ۱ ص ۵۹، ۵۸ ؎۲ دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات ص ۲۴

کوئی چیز قرآن وسنت سے ہٹی ہوئی ہے تو بے تکلف اسے ظاہر کر دیجیے[1] (علماء کرام نے واضح تو کیا کہ قرآن نے حکومت کو وسیلہ کی حیثیت دی ہے) ایک جگہ اور لکھتے ہیں :-

حقیقی انقلاب اگر کسی تحریک سے رونما ہوسکتا ہے تو وہ صرف ہماری یہ تحریک ہے اور اس کے لیے فطرتاً یہی ایک طریق کار ہے جو ہم نے خوب سمجھ کر اور اس دین کے مزاج اور اسکی تاریخ کا گہرا جائزہ لے کر اختیار کیا ہے[2] (آگے تحریر فرماتے ہیں)

مگر اس طرح کا مطلب قرآن وسنت سے اسلاف میں سے کوئی اخذ نہ کر سکا، لہٰذا یہ مودودی صاحب کی خوش فہمی نہیں تو اور کیا ہے بلکہ بے راہ روی ہے۔ ناخواندہ یا کم علم یا جن کا علم مودودی صاحب کی معلومات کے دائرے میں محدود ہے اور جو مودودی صاحب کے ہر اجتہاد پر آمنا وصدقنا کہنے والے ہیں۔

وہ اس تحریک کے قرآن وسنت کی طرف اس طرح کے انتساب سے ضرور دھوکہ کھا سکتے ہیں اور راہ سے ہٹ سکتے ہیں۔

مودودی صاحب نے اپنی تحریروں میں یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی ہے کہ ہمارا نصب العین وہ ہے جو ہمیشہ سے اسلام کا رہا ہے۔ اسی لیے انہوں نے اس کا نام اسلامی جماعت رکھا ______ تاسیس جماعت کے وقت ۲ شعبان ۱۳۶۰ھ کو مودودی صاحب نے اپنی جماعت کی کچھ خصوصیات بیان کیں کہ تمام انسانوں کے مسائل زندگی ہمارے مسائل زندگی ہیں اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے ہم ان مسائل زندگی کا وہ حل پیش کرتے ہیں جنہیں سب کی فلاح اور سب کے لیے سعادت ہے۔ اس توضیح کے بعد مودودی صاحب نے فرمایا کہ یہی خصوصیات ہیں جن کے لیے ہم اپنی اس جماعت کو "اسلامی جماعت" اور اس تحریک کو اسلامی تحریک کہتے ہیں۔ کیوں کہ جب اس کا عقیدہ، نصب العین، نظام جماعت اور طریق کار بلا کسی کمی وبیشی کے وہی ہے جو اسلام کا ہمیشہ رہا ہے تو اس کے لیے اسلامی جماعت کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ عین اسلام کے نصب العین کی طرف اسلامی طریق ہی

---

[1] دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات ص۳۲ [2] ایضاً ص۳۹

حرکت کرتی ہے تو اس کی تحریک اسلامی تحریک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر زمانہ نبوت کے بعد جب کبھی ایسی کوئی تحریک دنیا میں اٹھی ہے اس کو دو زبردست اندرونی خطرے پیش آئے ہیں۔[1]
اسی طرح کی بات مودودی صاحب نے اجتماع دارالاسلام کی روداد میں ۱۹۴۳ء میں بھی کہی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"یہ جماعت خالصتہً دینِ حق کی اقامت کے لیے قائم ہوئی ہے اس کا نصب العین وہی ہے جو قرآن کی رو سے اسلام کا حقیقی نصب العین ہے۔ اس کے پیش نظر وہی کام ہے جس کے لیے انبیاءؑ دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اس میں داخل ہوتے وقت ہر شخص سے پورے شعور کے ساتھ وہی عہد لیا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں معاملہ بیع سے تعبیر فرمایا ہے۔[2]

مودودی صاحب نے اسی انداز کے دعوے جگہ جگہ کیے ہیں اور اس کے اثرات اور ثمرات یہاں تک مرتب ہوئے کہ مودودی صاحب نے عوام تو عوام متوسطین اور علماء کرام کے بارے میں بھی یہ کہدیا کہ دین کی اصل روح سے یہ لوگ واقف نہیں کہ خدا کے دین میں کون سی چیزیں کس درجہ میں مطلوب ھیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

دوسری بنیادی کمزوری جسے میں روز بروز زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کرتا جا رہا ہوں یہ ہے کہ ہمارے عوام تو دین کے فہم اور اس کی روح کے ادراک سے محروم ہیں ہی، مگر ہمارے درمیان جو لوگ مذہبی میلان رکھنے والے ہیں وہ اس معاملہ میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ (آگے لکھتے ہیں) عالم ہوں یا عامی، یا متوسطین، بہر حال ان کے درمیان کم ہی اشخاص ایسے پائے جاتے ہیں جو صحیح دینی بصیرت کی بنا پر جانتے ہوں کہ خدا کے دین میں کون سی چیزیں کس درجہ میں مطلوب ہیں کس چیز پر کتنا زور دینا چاہیے۔[3]

روح اسلام سے سب ناآشنا

ترجمان اسلام، علماء کرام چونکہ مودودی صاحب کی تحریک میں روڑا بن سکتے تھے، ان کو

---

[1] روداد جماعت اسلامی حصہ ۱ ص ۶
[2] " " " ۲ ص ۱۱
[3] " " " ۲ ص ۱۰

مودودی صاحب نے روحِ اسلام سے یکسر ناآشنا قرار دے دیا۔ اور ان کے ساتھ ان پڑھ عوام، خرقہ پوش مشائخ نیز کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات کو بھی شامل کرلیا اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک کر جہالت کی وادی میں دھکیل دیا۔ چنانچہ مودودی صاحب یوں گویا ہوتے ہیں:۔

اسلام اور غیر اسلام کا امتیاز علم و فہم پر موقوف ہے۔ اور اسی کا یہاں فقدان ہے۔ جو شخص مشرق اور مغرب کا فرق جانتا ہو وہ کبھی اس حماقت میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ مشرق کی طرف چل رہا ہو اور یہ سمجھے کہ مغرب کی سمت جا رہا ہوں، یہ فعل صرف جاہل ہی کا ہو سکتا ہے اور یہی جہالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں، خواہ وہ ان پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں، مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں یہ سب یکساں ہیں۔ [1]

دوسری جگہ مودودی صاحب نے اسی طرح ساری دنیا کو گم کردۂ راہ کہکر منہ میاں مٹھو بننے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

سیاسی لیڈر ہوں یا علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ مبین، دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریہ اور پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردۂ راہ ہیں، دونوں راہِ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں [2]

دعوت نہ قبول کرنے والے مسلمانوں کی پوزیشن مثل یہود

مودودی صاحب نے جماعت کے امیر و رہنما ہونے کی حیثیت سے مسلم عوام و خواص کو یہ آگاہی دی ہے کہ اگر وہ ان کی دعوت

---

[1] تفہیمات ج ۱ .... ص ۳۶

[2] سیاسی کشمکش ص ۹۵ ج ۳ بحوالہ جماعت اسلامی کے دینی رجحانات ص ۱۷

کو قبول نہ کریں گے تو ان کی پوزیشن وہ ہو گی جو قوم یہود کی تھی (نعوذ باللہ)

مودودی صاحب کا ذیل کا تراشا ذرا غور سے اور دیدۂ عبرت سے دیکھیں :-

اس موقع پر میں ایک بات نہایت صفائی کے ساتھ کہدینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس قسم کی ایک دعوت کا، جیسی کہ ہماری دعوت ہے، کسی مسلمان قوم کے اندر اٹھنا اس کو ایک بڑی سخت آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جب تک حق کے بعض منتشر اجزاء باطل کی آمیزش کے ساتھ سامنے آتے رہیں ایک مسلمان قوم کے لیے ان کو قبول نہ کرنے اور ان کا ساتھ نہ دینے کا ایک معقول سبب موجود رہتا ہے اور اس کا عذر مقبول ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا جائے اور اس کی طرف اسلام کا دعویٰ رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے تو اس کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے اور اس خدمت کو انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑی ہو جو امت مسلمہ کی پیدائش کی ایک غرض ہے۔ یا نہیں تو اسے رد کر کے وہی پوزیشن اختیار کرے جو اس سے پہلے یہود کی قوم اختیار کر چکی ہے۔ ایسی صورت میں ان دو راہوں کے سوا کسی تیسری راہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ عین ممکن ہے کہ اس دوٹوک فیصلہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو ڈھیل دے اور اس نوعیت کی یکے بعد دیگرے کئی دعوتوں کے اٹھنے تک دیکھتا رہے کہ وہ ان کے ساتھ کیا روش اختیار کرتے ہیں۔ لیکن بہرحال اس دعوت کی طرف سے منہ موڑنے کا انجام آخر کار وہی ہے جو میں نے آپ سے عرض کر دیا۔ غیر مسلم اقوام کا معاملہ اس سے مختلف ہے لیکن مسلمان اگر حق سے منہ موڑیں اور اپنے مقصد وجود کی طرف صریح دعوت کو سن کر الٹے پاؤں پھر جائیں تو یہ وہ جرم ہے جس پر خدا نے کسی نبی کی امت کو معاف نہیں کیا ہے۔

یہ تو عام مسلمانوں کے لیے الٹی میٹم تھا اب آگے ہندوستانی مسلمان متوجہ ہوں — اسی سلسلہ بیان میں مودودی صاحب فرماتے ہیں :—

اب چونکہ یہ دعوت ہندوستان میں اٹھ چکی ہے اس لیے کم از کم ہندی مسلمانوں کے لیے تو آزمائش کا وہ خوفناک لمحہ آ ہی گیا ہے، رہے دوسرے ممالک کے مسلمان تو ہم ان تک اپنی دعوت پہنچانے کی تیاری کر رہے ہیں اگر ہمیں اس کوشش میں کامیابی ہو گئی تو جہاں جہاں

یہ پہنچگی وہاں کے مسلمان بھی اسی آزمائش میں پڑ جائیں گے ۔[1]

مودودی صاحب کی اس عبارت کو آپ نے بغور پڑھکر اندازہ لگالیا ہوگا کہ مودودی صاحب کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں۔ کہ ان کی دعوت کو رد کرنے اور قبول نہ کرنے والوں کی پوزیشن وہ ہو جائے گی جو یہود کی تھی جنہوں نے پہلے حضرت عیسیٰ ؑ کی دعوت کو رد کیا تھا اور اس کے بعد سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو رد کیا تھا۔

جس شخص کے پاس ذرا بھی عقل سلیم ہے وہ سمجھ جائے گا کہ یہ کس قدر گمراہ کن دعویٰ ہے۔ شریعت کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ حیثیت صرف نبی و رسول کی ہوتی ہے۔ امت کے کسی بھی مصلح یا مجدد کا یہ درجہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی دعوت قبول نہ کرنے والوں پر یہ فتویٰ لگا دے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی شخصیت نے بھی اپنی دعوت کے بارے میں ایسی بات نہیں کہی۔ یہ بات کس قدر خطرناک اور فتنہ انگیز ہے کہ پوری امت مسلمہ کو سوائے اپنی جماعت کے جہنم میں جھونک رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اقامت دین پر مودودی دلائل

مودودی صاحب نے پورے دین پر سیاسی غلاف چڑھا دیا ہے ان کو ایسی دوربین مل گئی ہے کہ دین کے ہر پہلو میں انہیں اقتدار، حاکمیت اور فرمانروائی نظر آجاتی ہے۔

دین اور اقامت دین کے سلسلہ میں مودودی صاحب نے کیا فکر پیش کی ہے اور ان کے کیا دلائل ہیں۔ پہلے ہم ان کی طرف اشارہ کریں گے پھر دلائل کا تجزیہ بھی کیا جائے گا۔

(۱) مودودی صاحب نے اپنی بنیادی کتاب میں لفظ دین سے متعلق مختلف سات آیات پیش کرنے کے بعد یہ تحریر فرمایا ہے کہ :-

ان تمام آیات میں دین کا لفظ اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرکے اس کی اطاعت و بندگی قبول کرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حاکمیت فرمانروائی، حکمرانی اللہ کے سوا کسی کی تسلیم نہ کرے، اور اپنی اطاعت و بندگی کو اللہ کے لیے

---

[1] روداد جماعت اسلامی حصہ دوم ...... صفحہ ۱۳-۱۴

اسی طرح خالص کر دے کہ کسی کو دوسرے کی مستقل بالذات بندگی و اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ شریک نہ کرے۔

(۲) شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہٖ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہٖ ابراھیم و موسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔

(شوریٰ - ۲)

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

اس آیت سے مودودی صاحب نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس میں "الدین" سے اسلامی شریعت کے وہ سارے احکام و قوانین مراد ہیں جو انفرادی و اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی معاملات سے متعلق ہیں اور اقامت کا مطلب ہے ان کو جاری اور نافذ کرنا اب چونکہ اس طرح کا دین حکومت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے "دین قائم کرو" کے حکم کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ حکومت الٰہیہ قائم کرو۔

مذکورہ بالا آیت کا جو ترجمہ یہاں پیش کیا گیا ہے وہ مودودی صاحب کے ذہن کی پیداوار ہے جس میں اقیموا الدین کا ترجمہ دین قائم کرو سے کیا گیا ہے لفظ قائم کرو میں ان کی فکر کار فرما ہے چونکہ مودودی صاحب کے نزدیک اپنے پیش کردہ مشن کے لیے یہ آیت نمایاں طور پر مددگار معلوم ہو رہی ہے اس لیے اس کی تفسیر میں اپنی تفہیم القرآن کے اندر طویل نوٹ لگایا ہے اور تقریبًا چھ صفحے کالے کیے ہیں اور سارا زور قلم اس بات پر صرف کر دیا ہے کہ یہ آیت انسان کو حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کی دعوت دے رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اسلام کا پورا نظام زندگی معاشرہ اسلامی میں نافذ کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ مودودی صاحب کی کچھ قلمی گل کاریاں پیش خدمت ہیں۔ لفظ دین کی تشریح کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں کہ

"دین کے معنیٰ ہی کسی کی سیادت و حاکمیت تسلیم کر کے اس کے احکام کی اطاعت کرنے کے ہیں اور جب یہ لفظ طریقے کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جسے آدمی

واجب الاتباع اور جس کے مقرر کرنے والے کو مطاع ماننے۔ [۱]

اس تفصیلی نوٹ میں مودودی صاحب نے آگے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ اس آیت میں حکومت قائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

قرآن مجید کو جو شخص بھی آنکھیں کھول کر پڑھے گا اسے یہ بات صاف نظر آئے گی کہ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو کفر اور کفار کی رعیت فرض کر کے مغلوبانہ حیثیت میں مذہبی زندگی بسر کرنے کا پروگرام نہیں دے رہی ہے بلکہ یہ اعلانیہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اپنے پیروؤں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دین حق کو فکری، اخلاقی، تہذیبی اور قانونی و سیاسی حیثیت سے غالب کرنے کے لیے جان لڑا دیں اور ان کو انسانی زندگی کی اصلاح کا پروگرام دیتی ہے جس کے بہت بڑے حصہ پر صرف اسی صورت میں عمل کیا جا سکتا ہے، جب حکومت کا اقتدار اہل ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ [۲]

(۳) مودودی صاحب نے اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں"، میں اپنے مدعا پر دلیل میں یہ آیت بھی پیش کی ہے:۔

وھو اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ ولہ الحکم والیہ ترجعون۔	اور وہ اللہ ہے کوئی دوسرا اس کے سوا الٰہ نہیں ہے اسی کے لیے تعریف ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور وہی اکیلا صاحبِ حکم و اقتدار ہے۔ اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ [۳]
....	
(۴) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (سورہ توبہ آیت ۳۳)	وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

---

[۱] تفہیم القرآن ج ۴ ... ص ۴۸۷ ۔ [۲] تفہیم القرآن ج ۴ .... ص ۴۹۱

[۳] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۱۹ ۔

مودودی صاحب اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :۔

پس بعثت رسول کی غرض اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دینِ حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے اسے دین کی نوعیت رکھنے والے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے[1]

(۵) مودودی صاحب نے آیت استخلاف :۔

وعد اللّٰہ الذین آمنوا منکم	تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل
وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم	کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ انھیں
فی الارض کما استخلف الذین من	زمین میں حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان
قبلھم (سورۃ النور ۵۵)	سے پہلے لوگوں کو حکومت دے چکا ہے۔

سے بھی استدلال کیا ہے۔

بہر حال مودودی صاحب کے نزدیک حکومت کے اقتدار پر قبضہ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اپنے اس نظریہ کو مودودی صاحب نے آیات سے مزین کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ موصوف اپنی تفہیمات میں بھی اسی طرح کی چند آیات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

لہٰذا اس پارٹی کے لیے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کیوں کہ مفسدانہ نظامِ تمدن ایک فاسد حکومت کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے، اور ایک صالح نظامِ تمدن اس وقت تک کسی طرح قائم ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ میں نہ آجائے[2] اب ترتیب وار مودودی دلائل کی حقیقت ان کا جواب اور آیات کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرمائیں :۔

مودودی استدلال کا تجزیہ

(۱) (مخلصین لہ الدین) اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب یہ لینا کہ حاکمیت اور فرمانروائی، اللہ کے سوا کسی کی تسلیم نہ کی جائے اس کے حقیقی مفہوم سے بہت دور ہے، مودودی صاحب یہ زحمت اس لیے اٹھا رہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح حکومت الٰہیہ کے قیام

---

[1] تفہیم القرآن ج ۲ ۔ ۔ ۔ صـ۱۹۰ [2] تفہیمات ج ۱/ ۔ ۔ ۔ صـ۱۰۴

کا مقصد حاصل ہو جائے۔ ورنہ محققین و مفسرین نے مودودی صاحب کی پیش کردہ آیت جس میں کہ "مخلصین لہ الدین" کا فقرہ ہے ـــــ یہ لیا ہے کہ تم پکارو اللہ تعالیٰ کو مخلصین لہ الدین خالص کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو شرک جلی اور شرک خفی سے [1] ـــــ اسی طرح "مخلصًا لہ الدین" کا مطلب یہ ہے کہ ـــــ حق تعالیٰ کی اطاعت کو شرک ریا وغیرہ سے خالص رکھے [2]

مودودی صاحب نے اپنے طبع زاد نظریہ کے تحت یہ مفہوم پیش کیا ہے۔ جب کہ دوسرا کوئی مفسر صاحب ان کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔

(۲) شرع لکم من الدین الخ :۔ مودودی صاحب نے اس آیت میں اقیموا الدین کے فقرے سے دین کا قائم کرنا اور نافذ کرنا مراد لیا ہے۔ حالانکہ اردو مترجمین عام طور پر اس کا ترجمہ دین قائم کرو نہیں لے رہے ہیں بلکہ دین کو قائم رکھنا مراد لے رہے تھیں مشہور علماء کرام کے ترجمے یہاں نقل کیے جا رہے ہیں :۔

{ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا ع ـ

حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ	※	یہ کہ قائم رکھو دین اور پھوٹ نہ ڈالو
" " شاہ رفیع الدینؒ	※	یہ کہ قائم رکھو دین کو اور مت متفرق ہو بیچ اس کے
" " شاہ عبدالحق حقانیؒ	※	اسی دین پر قائم رہنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا
" " اشرف علی تھانویؒ	※	اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا
" " شیخ الہند محمود حسنؒ	※	قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں
" " ڈپٹی نذیر احمدؒ	※	اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا
" " عبدالماجد دریابادیؒ	※	یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا

(شوریٰ/۱۳)

زیر بحث آیت کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایسے دین کی اقامت کا حکم

---

[1] روح المعانی ج/۲۴/ص۸۳ [2] روح المعانی ج/۲۳/ص۲۴۹

دیا جا رہا ہے جو حضرت نوح ؑ سے لے کر آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء پر اترا ہے اب چوں کہ مختلف انبیاء پر نازل کی جانے والی تعلیمات اپنی پوری شکل میں یکساں نہیں تھیں عقائد اور بنیادی اصولوں کی حد تک تو ان سب کا دین بالکل ایک تھا مگر تفصیلی شریعت اور عملی احکام میں ان کے درمیان کافی فرق تھا اس لیے دین کا وہی حصہ مراد ہو سکتا ہے جو سب میں مشترک رہا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں مفسرین کرام نے جو اقامت دین کا مطلب بیان کیا ہے وہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

امام رازی لکھتے ہیں:۔ [1]

(قواعد نحو کی رو سے) اسی پر تمام انبیاء کا عطف ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مطلب شریعت کے اس حصہ پر عامل ہونا ہے جو تمام انبیاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح لکھتے ہیں:۔

مراد اس دین سے اصول دین ہیں جو مشترک ہیں تمام شرائع میں مثلاً توحید و رسالت وبعثت وغیرہ اور قائم رکھنا یہ کہ اس کو ترک مت کرنا[2]

یہی رائے تقریباً تمام مفسرین کی ہے کسی نے صرف متفقہ عقائد کا ذکر کیا ہے اور کسی نے اس کے ساتھ ناگزیر اعمال کا بھی ذکر کیا ہے جو ان عقائد کے ساتھ ان کے لازمی نتیجے کے طور پر انسان کی زندگی میں پیدا ہوتے ہیں۔

روح المعانی میں مجاہد کا قول منقول ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حکم دیا تھا کہ وہ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، اللہ کا اقرار کرے اس کی اطاعت کرے اور اسی کا نام اقامت دین ہے۔

البحر المحیط میں ابو حیان نے فرمایا ہے:۔

دین ان متفقہ عقائد کا نام ہے جو توحید، خدا کی اطاعت، رسولوں پر ایمان لانا، اسکی کتاب پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان اور جزائے اعمال سے متعلق ہے۔

---

[1] بحوالہ تعبیر کی غلطی .... صـ۲۲۱ ۔ [2] بیان القرآن سورہ شوریٰ

تفسیر ابن کثیر میں بھی اس طرح کی تفسیر کی ہے :۔

ان مذکورہ اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مفسرین نے اقامت دین سے دین کی بنیادی تعلیمات کو پوری طرح اختیار کرنا مراد لیا ہے، ایسی حالت میں اس کا یہ مطلب لینا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے کہ دین کے تمام انفرادی واجتماعی احکام کو زندگی کے سارے شعبوں میں نافذ کرو۔ دوسرے لفظوں میں حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں لاؤ۔ کیوں کہ یہ انفرادی اور اجتماعی احکام تو تمام شریعتوں میں مختلف رہے ہیں۔ لہٰذا مودودی صاحب کا اقامت دین سے حکومت کا قیام مراد لینا اور اس کو بنیادی مقصد قرار دینا اپنی ذہنی اختراع ہے جو تفسیر بالرای میں داخل ہے۔

(دین کے لغوی معنیٰ) :۔ اسی کے ساتھ یہاں دین کا لغوی مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیے کتب لغت میں لفظ دین کے چودہ[۱۴] پندرہ[۱۵] معانی بیان کیے گئے ہیں۔ [۱]

قرآن پاک میں لفظ دین کا معنیٰ متعین کرنے کے لیے محققین متقدمین کی طرف رجوع کرنا ہوگا محدث علامہ پٹنیؒ نے بھی دین کے ۱۱ معانی نقل کیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :۔

دین کا لفظ ان چند معانی کے لیے آتا ہے، حساب، بدلہ، حکمت، سیرت ملکیت، غلبہ، فرمانبرداری، توحید، عبادت، تدبیر اور عادت [۲]

آگے علامہ نے قرآن پاک سے چند معانی کی مثالیں بھی پیش فرمائی ہیں۔ معلوم نہیں مودودی صاحب نے قرآن پاک میں دین کے معنیٰ اقتدار اور اسٹیٹ کے کیسے متعین کر لیے۔

جب کہ قرآنی لغات کے ماہر امام راغب اصفہانی ,, المفردات ،، میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

لفظ دین کے معنیٰ اطاعت اور بدلہ کے ہیں اور ـــ شریعت (احکام) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس کے بعد امام اصفہانی نے اپنے اس دعویٰ کو قرآنی آیات سے مزین فرمایا ہے موصوف نے دین کے اصل معنیٰ طاعت (فرمانبرداری) قرار دیئے ہیں۔ اور طاعت واطاعت طوع سے مشتق ہے۔ یعنی ایسی فرمانبرداری جو رغبت کے ساتھ ہو، اصفہانی نے دین کے معنیٰ

---

[۱] المعجم الوسیط .... ص ۳۰۷

[۲] حاشیہ مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار ص ۲۲۱ ج ۲

بیان کرتے ہوئے اقتدار کو لیا ہی نہیں اور ـــــ ان الدین عند اللہ الاسلام (یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے)

اور اسلام کہتے ہیں ـــ گردن نہادن بطاعت اور سر تسلیم خم کرنے کو۔

الحاصل: دین کا مطلب ہے فرمانبرداری یعنی مقصد تخلیق کے تقاضوں کو پورا کرنا اور مقصد تخلیق اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:- وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

(۳) ولہ الحکم الخ:ـ اس میں بھی مودودی صاحب نے حکم سے اقتدار مراد لیا ہے مگر جمہور مفسرین نے وہ فیصلہ مراد لیا ہے جو دنیا میں فوق الفطری طور پر تمام چیزوں پر نافذ ہوتا ہے یا وہ فیصلہ مراد لیا ہے جو آخرت میں بندوں پر نافذ ہوگا۔ مفسرین دونوں طرف گئے ہیں اکثر مفسرین کی رائے فیصلہ آخرت کی ہے۔ سیاسی اقتدار کسی مفسر نے مراد نہیں لیا لہ الحکم سے فیصلہ آخرت مراد لینا اس لیے راجح ہے کہ مشہور صحابی مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ سے یہی تفسیر منقول ہے:ـ

عبداللہ ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ لہ الحکم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کا حق ہے وہ اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے مغفرت اور انعام کا فیصلہ کرتا ہے اور نافرمانوں کے لیے بدبختی اور ہلاکت کا۔[۱]

مودودی صاحب نے لہ الحکم سے سیاسی و تمدنی اقتدار مراد لیا ہے موصوف کے سوا جمہور مفسرین میں سے کسی نے بھی یہ مفہوم مراد نہیں لیا، تمام مفسرین سے ہٹ کر اپنے مقصود و مخصوص نصب العین کے پیش نظریہ تفسیر کرنا تفسیر بالرای میں داخل ہے۔ (اللّٰھم احفظنا منہ)

(۴) لیظھرہ علی الدین کلہ:ـ اس آیت سے بھی مودودی صاحب نے سیاسی غلبہ مراد لیا ہے۔ مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے اکثر مفسرین و محققین کے نزدیک اسلام کا دوسرے ادیان پر علمی اور استدلالی غلبہ ہے۔ نہ کہ سیاسی غلبہ،

---

[۱] خلاصہ از روح المعانی ج ۲۰/ ص ۹۲

امام قرطبی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :- ای بالحجۃ والبراھین، یعنی یہ غلبۂ دین بہ لحاظ قوت دلائل کے ہے۔ کیوں کہ یہی نور اللہ کا اتمام ہے سلہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح نے لیظھرہ کے تحت حضرت ابن عباس رض کا قول نقل فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ص کو اللہ تعالیٰ دین کے تمام احکام پر مطلع فرمادیے کہ آپ پر کوئی شئ پوشیدہ نہ رہے (گویا اظہار کے معنیٰ یہاں مطلع کرنے کے ہیں) عہ

قاضی صاحب نے آگے فرمایا ہے کہ بعض دیگر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس دین حق (اسلام) کو تمام ادیان پر غالب کردے کہ ان سب کو منسوخ قرار دے دے حسن بن الفضل کا قول نقل کیا ہے کہ دین حق کو تمام ادیان پر واضح دلائل کے ذریعہ غالب کردے ـــــــــ اور امام شافعی رح نے فرمایا کہ ہر سننے والے کے سامنے واضح کر دیا کہ یہی حق ہے اور جو اس کے برخلاف ہے وہ سب باطل ہے، سٓہ

دراصل مودودی صاحب نے اپنے مشن کو ظاہر کرنے کے لیے لیظھرہ میں اظہار کا فاعل نبی کریم ص کو قرار دیا ہے۔

جب کہ اکثر مفسرین اللہ کو فاعل قرار دے رہے ہیں۔ سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ یعنی اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ ایسا کرے مگر مودودی صاحب نے رسول اور بندوں کا یہ مشن قرار دیا ہے کہ وہ ایسا کریں! یہ کہاں کی عقلمندی ہے، مزید وضاحت ملاحظہ ہو،

قاضی بیضاوی دوسرے فقرے (ھو الذی ارسل رسولہ الخ) کو پہلے فقرے (یریدون ان یطفئوا الخ) کے بیان کی حیثیت دیتے ہیں سٓہ چوں کہ پہلے فقرے میں اللہ کا فاعل ہونا صریح طور پر مذکور ہے (واللہ متم نورہ دوسری جگہ ویابی اللہ الا ان یتم نورہ) اس لیے دوسرے فقرے میں قدرتی طور پر اللہ کو فاعل سمجھا جائے گا اس تشریح کے مطابق خدا کا فاعل ہونا متعین ہے ضمیر محذوف کے مرجع تلاش کرنے کا مسئلہ نہیں رہتا

سلہ بحوالہ تفسیر ماجدی ص۴۰۲ عہ یہی بات روح المعانی ج ۱۰/ ص۸۶ پر نقل کی گئی ہے عہ روح المعانی میں اسی قول کو اکثر مفسرین کی رائے قرار دیا ہے۔ سٓہ خلاصہ تفسیر مظہری عربی ج ۴/ ص۱۹۵-۱۹۶۔
سٓہ بیضاوی شریف سورہ توبہ ص۲۰۵

بلکہ وہ ایک ایسا فاعل ہے جو خود کلام میں مذکور ہے۔ بہرحال سیاسی غلبہ پر مشن کی حیثیت سے اس آیت سے استدلال نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر اسلام کا حقیقی مقصد حکومت الٰہیہ قائم کرنا ہوتا تو اس کی سعی نہ کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی دی جاتی جیسے، ہجرت نہ کرنے والوں کو قرآن پاک میں دھمکی دی گئی ہے۔ (سورہ نساء آیت ۹۷)

اس سے پہلی آیت ۹۵/۹۶ بھی ملاحظہ ہو جس میں ہے کہ:۔

وکلا وعد اللّٰہ الحسنیٰ کہ بلا عذر گھر میں بیٹھنے والوں سے بھی جنت کا وعدہ کیا گیا ہے

(۵) آیت استخلاف"! سے بھی مودودی صاحب نے استدلال کیا ہے۔

حالانکہ اس آیت میں "دین میں ثابت قدمی پر بطور انعام استخلاف کا وعدہ فرمایا گیا ہے یعنی حکومت بالذات مقصود نہیں، مقصود وہ چیز ہے جس پر حکومت بطور انعام ملے گی، قرآن پاک ایمان اور اعمال صالحہ پر جنت ملنے کے وعدوں سے بھرا پڑا ہے، جو بتاتا ہے کہ امامت صالحہ دین میں مقصود حقیقی نہیں ہاں اہم ضرور ہے مگر الاہم فالاہم کے تحت جسکا جو درجہ ہے اس کو وہی درجہ دینا چاہیے۔

انبیاء کرام اور اقتدار و حکومت

مودودی صاحب کے نزدیک اسلام میں حکومت الٰہیہ کے قیام کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں تک کہ موصوف نے انبیاء کا مشن بھی حکومت الٰہیہ کے قیام کو قرار دیا ہے؏ چنانچہ لکھتے ہیں

پس دنیا میں انبیاء کرام کے مشن کا منتہائے مقصود یہ رہا ہے کہ حکومت الٰہیہ قائم کرکے اس پورے نظام زندگی کو نافذ کریں جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ وہ اہل جاہلیت کو یہ حق تو دینے کو تیار تھے کہ اگر چاہیں تو اپنے جاہلی اعتقادات پر قائم رہیں اور جس حد کے اندر ان کے عمل کا اثر انہی کی ذات تک محدود رہتا ہے اس میں اپنے جاہلی طریقوں پر چلتے رہیں۔ مگر وہ انہیں یہ حق دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور فطرۃً نہ دے سکتے تھے کہ اقتدار کی کنجیاں انکے ہاتھ میں

؏ : اسی طرح کی بات مودودی صاحب نے اپنی کتاب اسلام کا نظریہ سیاسی میں کہی ہے۔ جس کا عنوان ہے "انبیاء کرام کا مشن ص۵۔

رہیں اور وہ انسانی زندگی کے معاملات کو طاقت کے زور سے جاہلیت کے قوانین پر چلائیں۔

اسی وجہ سے تمام انبیاء نے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔ بعض کی مساعی صرف زمین تیار کرنے کی حد تک رہیں جیسے حضرت ابراہیم ع، بعض نے انقلابی تحریک عملاً شروع کردی مگر حکومت الٰہیہ قائم کرنے سے پہلے ہی ان کا کام ختم ہوگیا۔ جیسے حضرت مسیح ع اور بعض نے اس تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا، جیسے یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم [1]

فکری کجروی کا اثر

مودودی صاحب کی فکری کج روی کا اثر کتنا دور رس ہے ان کا مذکورہ بالا اقتباس بغور پڑھیئے۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حکومت الٰہیہ کو انبیاء کرام کے مشن کا منتہائے مقصود قرار دینے میں بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ بعض حضرات انبیاء بھی اپنے مشن میں ناکام رہے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم ع جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی بس زمین ہموار کر پائے اور عیسیٰ علیہ السلام کا کام تو پہلے ہی ختم ہوگیا گویا اقامت دین نہیں کر پائے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

مودودی صاحب کے بے باک قلم نے اپنی دعوت و نظریہ کو اجاگر کرنے کے لیے انبیاء کرام کو انقلابی لیڈر قرار دے دیا ہے۔ جبکہ لیڈر کا لفظ انبیاء کرام کی شان اقدس کیلیے نہایت نازیبا ہے۔

مودودی صاحب "اسلامی دعوت انقلاب کی خصوصیت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

اس میں شک نہیں کہ انبیاء کرام سب کے سب انقلابی لیڈر رہتے [2]

ایک دوسری جگہ یوں رقم طراز ہیں:۔

"اسلام دراصل اس تحریک کا نام ہے جو خدائے واحد کی حاکمیت کے نظریہ پر انسانی زندگی کی پوری عمارت تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ یہ تحریک قدیم ترین زمانے سے ایک ہی بنیاد اور ایک ہی ڈھنگ پر چلی آرہی ہے۔ اس کے لیڈر وہ لوگ تھے جن کو رسل اللہ (اللہ کے فرستادے) کہا

---

[1] تجدید واحیائے دین صفحہ ۳۲-۳۳ از ابوالاعلیٰ مودودی [2] تفہیمات ج/۱ ص ۶۹

جاتا ہے۔ ہمیں اگر اس تحریک کو چلانا ہے تو لامحالہ ان ہی لیڈروں کے طرزِ عمل کی پیروی کرنی ہو گی [۱] ——— دراصل مودودی صاحب کے نزدیک دین اسلام ایک سیاسی تحریک کا نام ہے جو اقتدارِ اعلیٰ قائم کرنے کے لیے برپا کی گئی ہے۔ اسی لیے موصوف انبیاء کا مشن بھی اسی کو قرار دے رہے ہیں۔

مگر معلوم ہونا چاہیے کہ دین اسلام کو سیاسی تحریک بنا کر پیش کرنا اور انبیاء کرام کو اس کا لیڈر قرار دینا یہ دین کا وہ تصور ہے جس سے دین اسلام کی روح مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ گویا دین محض ایک سیاسی نظام ہے۔

مودودی کتب میں اس نظریہ کی بازگشت

الغرض آپ کو تفہیم القرآن و دیگر مودودی کتب میں جگہ جگہ سیاسی اقتدار کی جھلک صاف نظر آ گئی۔ انبیاء کرام نیز عبادات وغیرہ کے لیے بھی انہوں نے سیاسی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔ غالباً سیاست کا چشمہ ان کی چشم پر برابر رہا۔

"حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آیت:— قال اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم ——— کی تفسیر میں لکھتے ہیں:—

ناواقف لوگ یہاں خزائن الارض کے الفاظ اور آگے چل کر غلہ کی تقسیم کا ذکر دیکھ کر قیاس کرتے ہیں کہ شاید افسر خزانہ وغیرہ کا عہدہ ہو گا۔ لیکن قرآن، بائیبل اور تلمود کی متفقہ شہادت ہے کہ درحقیقت حضرت یوسف علیہم السلام مصر کے مختار کل (رومی اصطلاح میں ڈکٹیٹر) بنا دیئے گئے تھے [۲] ——— (گویا یوسف علیہم السلام نے ڈکٹیٹری طلب کی تھی) چنانچہ تفہیمات میں صاف لکھدیا ہے کہ یہ محض وزیر مالیات کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف ؑ کو جو پوزیشن حاصل ہوئی تھی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔

(اس پر مودودی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں

---

[۱] اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے از مودودی ص ۲۲-۲۳ [۲] تفہیم القرآن ج ۲ طبع ہفتم ص ۴۱۱۔

مضمون لکھتے وقت مسولینی زندہ تھا اور اٹلی کا مختار مطلق بنا ہوا تھا) لہ

مودودی صاحب نے واقعہ معراج پر ایک کتاب بنام "معراج کی رات" لکھی ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ:۔

یہ کرہ زمین جس پر ہم آپ رہتے ہیں خدا کی عظیم الشان سلطنت کا ایک چھوٹا سا صوبہ ہے اس صوبہ میں خدا کی طرف سے جو پیغمبر بھیجے گئے ہیں ان کی حیثیت کچھ اس طرح سمجھ لیجیے جیسے دنیا کی حکومتیں اپنے ماتحت ملکوں میں گورنر یا وائسرائے بھیجا کرتی ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:۔

چودہ اصول جو معراج میں آنحضورؐ کو دیئے گئے ان کی حیثیت صرف اخلاقی تعلیمات ہی کی نہ تھی دراصل یہ اسلام کا مینی فسٹو تھا۔ اور وہ پروگرام جس پر آپ کو آنے والے زمانے میں سوسائٹی کی تعمیر کرنی تھی، یہ ہدایت اس وقت دی گئیں جب آپ کی تحریک تبلیغ کے مرحلے سے گذر کر حکومت اور سیاسی اقتدار کے مرحلے میں قدم رکھنے والی تھی ؎۲

مودودی صاحب نے واقعہ معراج تک کو بھی سیاسی رنگ میں رنگ دیا ہے۔

جہاد کا تصوّر مودودی لٹریچر میں

مودودی صاحب کے نزدیک اسلام میں جہاد کا مقصد بھی غیر اسلامی نظام حکومت کو ہٹا کر اسلامی حکومت قائم کرنا ہے۔ اور اسلام یہ انقلاب دنیا کے تمام ملکوں میں برپا کرنا چاہتا ہے۔ اور بقول ان کے حضورؐ نے بھی قوت حاصل کرتے ہی رومی حکومت سے تصادم شروع کر دیا۔ گویا سارے عالم میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی اسکیم چلائی۔ وہ لکھتے ہیں:۔

لہ تفہیمات حصہ دوم طبع اول صـ۹۲ مع حاشیہ۔

؏ معلوم ہو کہ ان چودہ اصول کا معراج سے کوئی تعلق نہیں ہے مودودی صاحب نے زبردستی جوڑ لگانے کی کوشش کی ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حقیقت معراج از صـ۳۴۔

؎۲ معراج کی رات از ابوالاعلیٰ مودودی صاحب صـ۸۔

مسلم پارٹی کے لیے اصلاح عمومی اور تحفظ خودی دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے کہ کسی خطہ میں اسلامی نظام کی حکومت قائم کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ جہاں تک اس کی توتیں ساتھ دیں اس نظام کو تمام اطراف عالم میں وسیع کرنے کی کوشش کرے ۔ آگے لکھتے ہیں ۔

یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے عمل کیا ، عرب جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی ۔ سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا گیا ۔ اس کے بعد رسول ؐ نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں ۔ بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا ۔

آنحضرت ؐ کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومت پر حملہ کیا اور پھر حضرت عمرؓ نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا ۔ [۱]

گویا کہ مودودی صاحب کے پیش کردہ اسلام سے دیگر ممالک کے ذمہ داران چوکنا رہیں گے کہ اسلام اگر کہیں ہڑپ نہ کر جائے کہ سب سے پہلے کرسی پر قبضہ کرے ۔ نقلی دلائل سے قطع نظر عقلی اعتبار سے بھی یہ انداز فکر غلط ہے اور اسلام کے لئے نقصان دہ ہے اور انبیاء کے مقصد بعثت میں یہ چیزیں شامل نہیں کہ قوت حاصل کریں اور تصادم شروع کر دیں ۔

بعثتِ انبیاء کے مقاصد

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم دنیا میں توحید کی روشنی پھیلانے ، کفر و شرک کی ظلمت کو دور کرنے اور تمام لوگوں کو کامیابی کا راستہ دکھانے کے لیے مبعوث ہوئے جیسا کہ قرآن و حدیث شاہد ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام عالم کو کفر و شرک سے نجات دلانے اور توحید کا سچا راستہ دکھانے کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں ، اس مقصد بعثت کو قرآن کریم نے مختلف جگہ بیان کیا ہے ان آیات کے دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کے مقاصد بعثت میں بنیادی

---

[۱] تفہیمات سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ج/۱ ص۷۲

طور پر چار چیزیں شامل ہیں۔
(۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ نفوس ،
راجح قول کے مطابق حکمت سے مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہاں ایک آیت ملاحظہ ہو :—

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم ایٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم (البقرہ رکوع ۱۵)	اے ہمارے پروردگار بھیج ان میں ایک رسول ان میں سے جو ان کے سامنے تیری آیت تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے۔ بلاشبہ تو غالب وحکمت والا ہے۔

ان مقاصد بعثت پر مکرر نظر ڈالیے ان میں سیاسی اسٹیٹ قائم کرنے کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ دیگر انبیاء کرام کی تعلیمات میں بھی توحید باری کا سراغ ملتا ہے۔ حکومت یا سیاسی اقتدار حضور کی تعلیمات میں مقصود بالذات ہو کر کہیں مذکور نہیں ہے۔

معلوم نہیں مودودی صاحب نے انبیاء کرام کی بنیادی تعلیمات میں اسٹیٹ قائم کرنے کو مقصدِ اصلی کی حیثیت سے کس طرح شامل کر دیا۔

حکومتِ الٰہیہ شریعت کی نظر میں

درحقیقت دین اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے اور انسانی زندگی کا مکمل دستور ہے اس کے مختلف شعبے ہیں مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق معاشرت، معاملات اور سیاست دین کو ان اہم عنا وین پر تقسیم کیا جا سکتا ہے بلاشبہ سیاست بھی دین کا ایک اہم حصہ ہے شریعت نے اس کے احکام سے بھی بحث کی ہے اسی طرح حکومت اسلامیہ کا قیام بھی مطلوب شرعی ہے مگر اس کو اسلام کے مقصد اصلی کی حیثیت حاصل نہیں ہے اگر امامت صالحہ کا قیام ہو تو نور علیٰ نور کہ اس سے اسلام کی بنیادیں مزید مضبوط ہوں گی ــــــ لیکن اسی کو دین کا محور قرار دینا اور دین کے سیاسی غلبہ کو غایۃ الغایات قرار دینا قرآن وحدیث کی صریح تصریحات کے خلاف ہے

نیز یہ چیز امت کے متفق علیہ مسائل وعقائد کے بھی خلاف ہے۔ اسلام کی چودہ صدیوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں گذرا ہے جس نے دین کے سیاسی غلبہ اور حکومت الٰہیہ کو اسلام کے لیے روح رواں قرار دیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو بنیاد قرار نہیں دیا۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) کلمہ شہادت کا اقرار (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا، (۴) بیت اللہ کا حج کرنا (۵) ماہ رمضان کے روزے رکھنا ــــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ اسلام میں یہ پانچ بنیادی ارکان خود مقصود بالذات ہیں اور دین کا سارا نظام انہیں کے ارد گرد گھومتا ہے یہاں تک کہ جہاد بھی ہے تو ان پانچ کے لیے، ہجرت بھی ہے تو ان کی خاطر اور حکومت وسیاست بھی ان ارکان خمسہ کے لیے ہے۔ یوں سمجھیے کہ دین کے بقیہ تمام اعمال واخلاق کا سرچشمہ یہی پانچ امور ہیں۔ بایں وجہ اسلام میں جو عظمت ان پانچ ارکان کو حاصل ہے کسی اور عمل کو نہیں۔

تاہم حکومت الہیہ کے قیام کی کوشش ہو تو بہتر ہے اس لیے علماء امت نے اس کو اہتمام سے بیان بھی کیا ہے۔ اسلام میں اس کے بھی اصول وشرائط ہیں اور یہ کہ حاکم کیسا ہو؟ عورت نہ ہو اس کو شمع محفل نہیں بنایا جائے گا۔ مگر مودودی صاحب ۱۹۶۵ء میں بہک گئے جب کہ وہ اس سے بہت پہلے (عورت کی سربراہی) اور "پردہ" کتاب بھی لکھ چکے تھے۔

عورت کی سربراہی اور اقامت دین کے علمبرداروں کی قلابازی

مودودی صاحب نے پاکستان کے لیے چند دستور کی تجاویز پیش کیں تھیں جن میں ایک تجویز یہ تھی ——— عورتوں کو مجالس قانون ساز کا رکن نہ ہونا چاہیے (بقول مودودی صاحب ان مجالس کا کام پوری ملکی سیاست کو کنٹرول کرنا اور نظم و نسق کی پالیسی طے کرنا وغیرہ ہے) بعض حلقوں کی طرف سے دیگر تجاویز کے ساتھ اس مذکورہ تجویز پر اعتراض ہوا۔ مودودی صاحب نے ان شبہات کا جواب دیا۔[1] جس میں مودودی صاحب نے واضح طور پر یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی شریعت میں کسی عورت کے مجلس قانون ساز کا رکن ہونے کی گنجائش نہیں اور یہ کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ اس بارے میں اللہ و رسول کے واضح احکامات اور ارشادات ہیں اور کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کرے۔

موصوف نے یہ مضمون ۱۹۵۲ء میں لکھا تھا جب کہ پاکستان میں جمہوری حکومت قائم تھی اس کے ۶، ۷ برس بعد وہ وقت آیا کہ پاکستان کے اس وقت کے فوجی سربراہ جنرل ایوب خان نے فوجی انقلاب برپا کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی پھر وہ صدر بھی بن گئے۔

اس انقلاب کے چند برسوں کے بعد انہوں نے چاہا کہ وہ باقاعدہ الکشن کے ذریعہ پاکستان کے صدر منتخب ہو جائیں ـــ اس مرحلہ پر ان کے خلاف پاکستان کی اکثر سیاسی پارٹیوں کا ایک "متحدہ محاذ" قائم ہوا۔ مودودی صاحب کی جماعت اسلامی بھی موصوف کی رہنمائی میں اس متحدہ محاذ میں شامل تھی۔ بلکہ اس کی تعمیر و تشکیل میں اس کا حصہ دوسری پارٹیوں سے زیادہ ہی رہا تھا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس متحدہ محاذ میں وہ پارٹیاں بھی تھیں جن کی سیاست کا دین سے بلکہ خدا سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ اس وقت کے

---

[1] مودودی صاحب کی ان تجاویز کے لیے ملاحظہ ہو ان کا ماہنامہ ترجمان القرآن (لاہور) ماہ اگست ۱۹۵۲ء اور موصوف کے جوابات کے لیے ملاحظہ ہو ماہنامہ ترجمان القرآن (لاہور) ستمبر ۱۹۵۲ء

مشرقی پاکستان کے معروف لیڈر بھاشانی صاحب کی پارٹی بھی تھی جو کھلے طور پر کمیونسٹ اور کمیونزم کے پرجوش داعی و علمبردار تھے۔

مودودی صاحب کے "دینی حکمت عملی" کے فلسفہ نے جماعت اسلامی کے لیے ان سب کے ساتھ اشتراک عمل اور رفاقت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ "اقامت دین" کے تعلق سے کار ثواب بنا دیا تھا۔

اس متحدہ محاذ کو صدر ایوب کے مقابلہ میں کسی مضبوط امیدوار کو کھڑا کرنا تھا۔ یہ ۶۵ء کی بات ہے) متحدہ محاذ میں شامل پارٹیاں اس نتیجہ پر پہنچیں کہ ملک میں صرف مس فاطمہ جناح (یہ فاطمہ جناح تحریک پاکستان کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی بہن تھیں) کی شخصیت ایسی ہے کہ صدر ایوب کے مقابلہ میں ان کی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔ اور انہوں نے انہیں کے بارے میں فیصلہ کر لیا ــــــ جماعت اسلامی کو اس میں یہ مشکل پیش آئی کہ وہ اب تک یہ کہتی آئی تھی اور اس کے بانی اور رہنما مولانا مودودی قرآن و حدیث کے حوالوں سے لکھ چکے تھے کہ اسلام اور اسلامی شریعت میں کسی عورت کے مجلس قانون ساز کا ایک عام رکن اور ممبر ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہے چہ جائے کہ اس کو مملکت کا صدر اور سربراہ بنایا جائے۔ (جو ایک حد تک مختار کل ہوتا ہے)

حِکمَتِ عملی کا فلسَفہ

لیکن مودودی صاحب نے ۵۸ء میں "دین میں حکمت عملی" کا جو فلسفہ پیش کیا تھا اور اس کے جو دلائل دیئے تھے (مثلاً یہ کہ اکراہ کی صورت میں زبان سے کلمہ کفر کہنا بھی جائز ہے اور حالت اضطرار میں حرام اور مردار کھا لینے کی بھی اجازت ہے وغیرہ وغیرہ) اسکی روشنی میں اس مشکل کا بھی حل نکال لیا گیا۔

جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے پاکستان کی صدارت کے لیے مس فاطمہ جناح کی امیدواری کے بارے میں اپنے موقف کا اعلان کرتے ہوئے جو بیان جاری کیا تھا اس میں فرمایا گیا تھا کہ:۔

> شریعت میں جو چیزیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں ان میں بعض کی حرمت تو ابدی اور قطعی ہے جو کسی حالت میں حلت سے تبدیل نہیں ہو سکتی اور بعض کی حرمت

ایسی ہے جو شدید ضرورت کی حد تک جواز میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اب یہ واضح ہے
کہ عورت کو امیر بنانے کی ممانعت ان حرمتوں میں سے نہیں ہے جو ابدی اور قطعی
ہیں بلکہ دوسری قسم کی حرمتوں ہی میں اس کا شمار ہو سکتا ہے،،
اس لیے ہمیں ان حالات کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہیے جن میں یہ مسئلہ ہمارے سامنے آیا ہے
(اس کے بعد حالات کی وضاحت کی گئی تھی اور پھر ان الفاظ پر مجلس شوریٰ کی قرارداد
ختم ہوئی تھی) :۔

،، مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں اس مجلس نے صدارتی انتخاب کے لیے
موجودہ صدر کے مقابلہ میں محترمہ فاطمہ جناح کی تائید اور حمایت کا فیصلہ کیا ہے
اور یہ مجلس عوام سے اپیل کرتی ہے اور جماعت کے کارکنوں کو ہدایت کرتی ہے
کہ وہ جبر و استبداد سے نجات پانے کے لیے اس آخری موقع سے پورا فائدہ
اٹھائیں۔ اور اس مہم کو تن من دھن سے کامیاب بنانے کی کوشش کریں،،۔

پھر ایسا ہی ہوا کہ پاکستان کی جماعت اسلامی کے ،،الکشنی مجاہدین،، نے اس معرکہ کو ،،جہاد فی سبیل اللہ،، قرار دے کر مس فاطمہ جناح کو کامیاب بنانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی اور جب انہیں ،،شرعی،، رہنمائی مل گئی تھی کہ یہ ایسا عظیم و اعلیٰ مقصد ہے کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اگر ضرورت پڑے تو بقدر ضرورت حرام کا بھی ارتکاب کیا جا سکتا ہے تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ الکشن جیتنے کے تقاضے سے کیا کچھ نہ کیا ہو گا۔ پھر یہاں ایک یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مس فاطمہ جناح کا معاملہ صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ وہ بس ایک عورت تھیں ——— ہر باخبر اور جماعت اسلامی کا ہر فرد جانتا تھا کہ مودودی صاحب کی خاص اصطلاح میں وہ زیادہ سے زیادہ بس ،،نسلی مسلمان،، اور مردم شماری کی رجسٹر کی مسلمان تھیں

اسلام سے جیسا ان کا عملی تعلق تھا وہ بالکل ظاہر و باہر تھا اور ان کی یہ بات قابل تعریف ہے کہ انہوں نے الکشن کی مصلحت کے تقاضوں سے بھی اپنے کو بدلنے کی ضرورت نہ سمجھی ———
——— بدلے تو اقامت دین کے علم بردار بدلے ؎

گلۂ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے ٭ جو میں بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

یَابَدِیْعَ الْعَجَائِبْ! یا تو معیار کی بلندی کہ جماعت کے دستور میں جماعت کے صفِ اول کے ارکان کے بارے میں کہا گیا تھا۔

ان کے لیے احکام شرعیہ کی پابندی کے معاملہ میں کوئی رعایت نہ ہو گی ان کو مسلمانوں کی زندگی کا پورا نمونہ پیش کرنا ہوگا۔ اور ان کے لیے رخصت کے بجائے عزیمت کا طریقہ ہی قانون ہوگا[1]

یا یہ تسفل اور گراوٹ کہ جان بوجھ کر ایک حرام کا ارتکاب کیا جا رہا ہے اور پورے ملک کے مسلمانوں سے اس حرام کے ارتکاب کی اپیل کی جا رہی ہے اور اس کے لیے شرعی حرمتوں، ابدی، اور غیر ابدی، قطعی اور غیر قطعی کی تقسیم کی جا رہی ہے۔

فتنہ کا دروازہ دین میں حکمتِ عملی کا یہ فلسفہ جس کو مودودی صاحب نے ۱۹۵۸ء میں تحریری طور پر پیش فرمایا تھا اور ۱۹۶۵ء میں مس فاطمہ جناح کے الکشن میں جس کا پورا عملی تجربہ اور مظاہرہ ہوا ظاہر ہے کہ وہ صرف ایک وقتی غلطی نہیں تھی جو بس ہو چکی بلکہ اس نے قیامت تک کے لیے دین میں فتنوں کا ایک وسیع دروازہ کھول دیا ہے[2]

ان تفصیلات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اقامت دین اور حکومت الٰہیہ کے نعرے سب ڈھونگ ہیں۔ اقتدار کی ہوس میں سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں یہ بھی لکھ چکے تھے۔ ـــــ کہ عورت کے لیے پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وقرن فی بیوتکنّ (اپنے گھر میں ٹک کر رہو) کے تحت لکھتے ہیں:

قرآن مجید کے اس صاف اور صریح حکم کی موجودگی میں اس بات کی آخر کیا گنجائش ہے کہ مسلمان عورتیں کونسلوں اور پارلیمنٹوں کی ممبر بنیں، بیرون خانہ کی سوشل سرگرمیوں میں دوڑتی پھریں۔ سرکاری دفتروں میں مردوں کے ساتھ کام کریں۔ کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ تعلیم پائیں مردانہ ہسپتالوں میں نرسنگ کی خدمت انجام دیں[3] تعجب ہے کہ مودودی صاحب

---

[1] خلاصہ دستور جماعت اسلامی۔ ص ۱۳

[2] دیکھیے! مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف ص ۱۱۶ تا ۱۲۰

[3] تفہیم القرآن ج ۴ ص ۹۰۔

اس قدر روشنی کے باوجود پھسل گئے اقامت دین کے ایسے دعویداروں پر یہ فٹ ہوتا ہے کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔

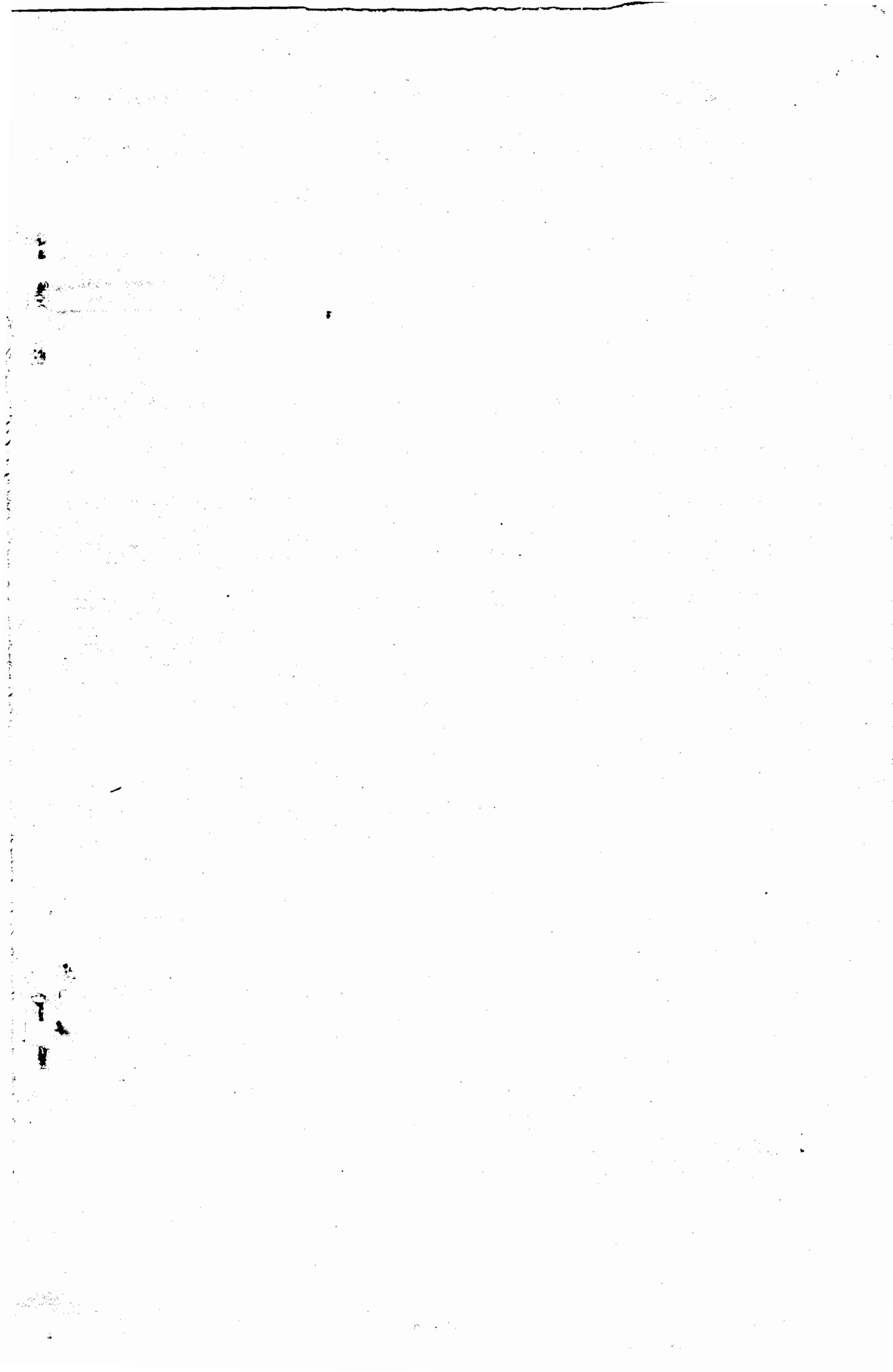
نتیجہ کلام ※ یہ ہے کہ مودودی صاحب نے اسلام کا مدعا اپنے نظریہ کی حکومت اور انبیاء کا مشن حکومت الٰہیہ کا قیام قرار دیا ہے یقیناً یہ نعرہ بڑا پرکشش اور سطحی ذہنوں کو مائل کرنے کے لیے ایک مؤثر کوشش ہے، مگر اہل علم اور حقیقت شناس جانتے ہیں کہ قرآن و سنت کی نظر میں اسلام کا یہ مدعا ہرگز نہیں ہے اور نہ انبیاء کا مشن حکومت الٰہیہ کا قیام ہے۔ جیساکہ آپ کو گذشتہ صفحات سے معلوم ہوا اور اسلام کا مقصد اصلی وہ متعین کرنا جس کو قرآن و سنت نے متعین نہ کیا ہو۔ مزید برآں زبردستی اس کو قرآن پاک سے ثابت کرنا قرآن میں تحریف معنوی کے ہم معنیٰ ہے، ذرا سنجیدگی سے غور کریں! دنیا میں تو مومنانہ عمل کا نشانہ خدا سے تعلق پیدا کرنا ہے جس کے لیے انسان کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔

— ※ —

※ اللّٰھمّ اھدنا الصراط المستقیم ※

※ آمین یارب العالمین ※

کتبہٗ: سہیل احمد قاسمی (ارریاوی)



شمس الاسلام

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

چوتھا مُحاضرۂ علمیہ

بر موضوع



پیش کردہ

جناب مولانا عبدالخالق سنبھلی صاحب

اُستاذ فقہ و ادب دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین



الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ.......
خصوصًا علیٰ سید المجتبیٰ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ ومن بھدیہ
اھتدیٰ ــــــــــــــــــــــ امابعد!

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد دنیاء انسانیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کی وہ جماعت ہے جس کی وحی الٰہی کی روشنی میں خصوصی تربیت ہوئی، رب کریم نے درسگاہ نبوت کے لئے ان حضرات والاصفات کو منتخب فرمایا۔ ھادیٔ اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا معلم بنایا، اور ملأ اعلیٰ میں نصاب مرتب ہوا، کتاب خداوندی ان کو ملی، علام الغیوب نے ان کا امتحان لیا، اور جب یہ مقدس گروہ امتحان میں پورا اترا تو خداوند قدوس نے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کہہ کر اپنی خوشنودی کی خوش خبری ان کو سنا دی، اور خود ہی حق تعالیٰ شانہٗ نے مغفرت اور اجر عظیم کی سند بھی دے دی۔

اس ارشاد ربانی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ :

اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم — یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے، ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

دراصل صحابہ کرام دین کے ستون ہیں۔ ان شخصیات کی حیثیت اتنی ہی مضبوط ہونی چاہیئے تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اگر قرآن ہے تو صحابہ کرام رضؓ اس کے ترجمان ہیں، ان پر اعتماد قرآن مبین اور نبی امین پر اعتماد ہے۔ اگر ان کا اعتبار نہ کیا جائے تو قلعۂ دین سارا ہی مسمار ہو جائے، لہٰذا علمائے حق نے ان کو معیار حق قرار دیا ہے۔ اور صحابہ کرام کی انفرادی آراء کو بھی بہت اہمیت دی گئی ہے، مگر مودودی صاحب ان حضرات کو معیار حق نہیں سمجھتے جیسا کہ ان کی جماعت کے دستور میں عقیدہ کے تحت لکھا ہے کہ:

"رسول خدا کے سوا کسی کو معیار حق نہ بنائے"

ایک اور جگہ ان کے معیار حق نہ ہونے کا صاف انکار کیا ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک معیار حق سے مراد وہ چیز ہے جس سے مطابقت رکھنا حق ہو اور جس کے خلاف ہونا باطل ہو۔ اس لحاظ سے معیار حق صرف خدا کی کتاب اور اسکے رسولؐ کی سنت ہے صحابہ کرام معیار حق نہیں ہیں، بلکہ کتاب و سنت کے معیار پر پورے اترتے ہیں" [1]

اس محاضرہ میں مجھے صحابہ کرام رضؓ اور ان کے معیار حق ہونے کو انشاء اللہ دلائل سے واضح کرنا ہے جس سے مودودی صاحب کی بے راہ روی معلوم ہو جائے گی۔

صحابہ کرام معیار حق ہیں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ حضرات قدسی صفات ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت ایمان ملاقات کی ہے اور اسلام پر ان کی وفات بھی ہوئی وہ دین کی تبیین و تشریح کیلئے اتھارٹی حجت شرعیہ اور معیار حق ہیں

معیارِ حق

معیار: لغت میں اس شئ کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کا اندازہ کیا جائے، اور اس کی عمدگی اور نکما پن معلوم کیا جا سکے، اس کو پیمانہ بھی کہا جاتا ہے، نیز اسی کا نام کسوٹی ہے، اور حق: سے مراد دین حق ہے، لہٰذا معیار حق

---

[1] رسائل و مسائل حصہ ہفتم ۲۰۰ صفحہ ۴۰ زیر عنوان امیر جماعت کی تشریحات

کا مطلب ہے ۔ دین حق کو سمجھنے کا پیمانہ اور کسوٹی ۔ یعنی وہ نفوس قدسیہ جن کا قول وفعل دینِ اسلام کی ترجمانی کرتا ہے، اور جن کو احکام شرعیہ میں حجت تسلیم کیا جاتا ہے ۔

تشریح اس کی مزید تفصیل وتشریح یہ ہے کہ دین اسلام کی حامل جو کتاب مقدس اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے اس کی تبیین وتشریح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے ۔ ارشادِ ربانی ہے :

وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ۔ (النحل آیت ۴۴)	اور ہم نے آپ پر یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کردیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے

اس آیت پاک اور دیگر آیات کریمہ سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن پاک باوجودیکہ تِبیَانا لکل شیٔ (ہر چیز کو واضح کرنے والا) ہے، کچھ ایسے گوشے بھی ہیں جو تشریح طلب ہیں اور ان کی تشریح کی ذمہ داری اس شخصیت پر ڈالی گئی ہے جس پر قرآن مقدس نازل کیا گیا ہے، اور امت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ :

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا (الحشر آیت ۷)	اور رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے وہ تمہیں روکیں رک جایا کرو۔

یعنی قرآن کریم کے مقاصد کی تبیین اور تکمیل کے طور پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو (احکام) اوامر ونواہی بیان فرمائیں امت پر ان کا اتباع واجب ہے ۔ اور حدیث پاک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ[۱]	خبردار ! مجھے قرآن پاک اور اس کے ساتھ اس جیسے احکام دیئے گئے ہیں ۔

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیلی احکام بیان فرمائے ہیں ان کی تعداد بھی بہت

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۲۹

ہے اس پورے ذخیرے کو احادیث شریفہ کہا جاتا ہے، جو قرآن کریم ہی کی طرح حجت شرعیہ ہے کیوں کہ وہ سب وحی ہے۔ فرمان باری ہے :

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ	وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں نہیں بناتے ان کا کلام تو تمام تر وحی ہی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

اور پوری امت مسلمہ اس کی حجیت کو تسلیم بھی کرتی ہے۔

بدقسمتی سے ایک فرقہ جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے، وہ احادیث کی حجیت کا منکر ہے اور اسی انکار کی وجہ سے وہ فرقہ ضالہ مضلہ شمار کیا گیا ہے، اور جمہور امت نے اس کو کافر قرار دیا ہے۔

اسی طرح ذات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان سے بلا واسطہ فیض پانے والی وہ شخصیات ہیں جن کو اسلامی اصطلاح میں صحابہ کرام کہا جاتا ہے، ان کو بھی حضور اکرم ؐ کے بعد فیض نبوت سے یہ مرتبہ اور مقام حاصل ہے کہ انہوں نے اجماع تصریحی اور اجماع سکوتی کے ذریعہ اپنے دور میں جو مسائل طے کئے ہیں وہ بھی حجتِ قطعیہ اور نصوص صریحہ ہیں اور جن مسائل میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا ہے اور متعدد رائیں پیدا ہو گئی ہیں تو حق ان اقوال میں دائر ہے۔ اور عملی اعتبار سے کسی بھی صحابی کی رائے کو حجت بنانا درست ہے، اور جن مسائل میں انفرادی فتاویٰ، اقوال یا عمل ان سے مروی ہے، ان کی پیروی بھی بعد کے مجتہدین پر حنفیہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک لازم ہے اور یہی مطلب ہے صحابہ کرام رض کے معیار حق ہونے کا کہ ان کے اجتماعی، انفرادی، اقوال و افعال حجج شرعیہ ہیں۔ اور یہ بات بھی امت مسلمہ میں متفقہ طور پر تسلیم شدہ حقیقت ہے۔

اہل السنۃ والجماعت نہ صرف جماعت صحابہ رض کے اجماعی فیصلوں کو حجت شرعیہ مانتے ہیں بلکہ یہی بات ان کا امتیاز بھی ہے

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد معلوم ہو کہ جب سے مودودی صاحب کی جماعت نے اپنے دستور اساسی میں یہ دفعہ لکھی ہے کہ :

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو" [1]

اسی وقت سے اہل السنۃ والجماعۃ کا ان سے اختلاف شروع ہوا ہے اور مسلمانوں کے سواد اعظم نے اس جماعت کو فرقہ ضالّہ مضلّہ قرار دیا، کیوں کہ اس دفعہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رض کسی بھی لحاظ سے معیار حق نہیں ہیں، نہ اپنے اجماعی فیصلوں کے اعتبار سے، اور نہ اپنے انفرادی فتاویٰ کے لحاظ سے، اور یہ اہل السنۃ والجماعت کے عقیدہ کے بالکل منافی ہے۔ پس جس جماعت کی بنیاد ہی اس عقیدہ پر ہو، اس کو اہل السنۃ والجماعت سے کیا تعلق باقی رہ سکتا ہے۔

اب ذیل میں ہم قرآن کریم سے، احادیث شریفہ سے، آثار صحابہ سے، اجماع امت سے اور عقل و فہم کی شہادت سے صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کے شواہد و دلائل پیش کرتے ہیں۔

قرآنی دلائل

تنبیہ : قرآنی دلائل کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ نقطہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ نصوص فہمی کے قطعی طریقے بالاجماع چار ہیں :

عبارۃ النص ، اشارۃ النص ، دلالۃ النص ، اقتضاء النص

ان چار طریقوں میں سے پہلا طریقہ تو نہایت واضح ہوتا ہے، بغیر غور و فکر کے بھی ہر ذی علم شخص سمجھ سکتا ہے مگر استدلال کے باقی طریقے اتنے آسان نہیں ہوتے ہیں۔ کیوں کہ صریح استدلال صرف عبارت النص سے ہوتا ہے۔ باقی استدلال تو خفی ہوتے ہی ہیں جن میں دقت نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

۱۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (آل عمران آیت ۱۱۰)	تم لوگ بہترین جماعت ہو، جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

---

[1] دستور جماعت اسلامی ص۴۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر حضرت فاروق اعظم رض نے یہ فرمائی ہے کہ اس آیت کے اصل مصداق صرف صحابہ کرام رض ہیں۔ اور باقی امت میں سے وہ لوگ آیت کے مصداق ہیں جو صحابہ کرام کے نقش قدم پر ہوں گے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"قال عمر بن الخطاب رض لو شاء اللہ لقال: انتم۔ فکنا کلنا، ولکن قال کنتم خاصۃ فی اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ومن صنع مثل صنیعہم کانوا خیر امۃ اخرجت للناس"[1]

ترجمۃ: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو "انتم" فرماتے، اس صورت میں پوری امت قیامت تک مصداق ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ نے کنتم فرمایا ہے۔ پس یہ آیت مخصوص ہے صحابہ کرام کے لئے اور باقی امت میں سے جو لوگ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلیں گے وہ بھی بہترین امت ہوں گے، جو لوگوں کو فائدہ رسانی کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اور اس کی جو تفسیر فاروق اعظم رض نے فرمائی ہے، اس میں اگر غور کیا جائے تو اس سے صحابہ کرام کا ایک خصوصی امتیاز ثابت ہوتا ہے، اور وہ اس جماعت کی خیریت ہے، اور وہ خیریت بھی لازمی نہیں ہے بلکہ متعدی ہے، یعنی لوگوں کی نفع رسانی سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا اس خیریت کو فضائل کمالات کے قبیل سے قرار دینا درست نہیں ہے، کیوں کہ فضائل .... لوازم ذات ہوتے ہیں، یعنی اس کا فائدہ صاحبِ فضائل ہی کو پہنچتا ہے، وہ متعدی نہیں ہوتے ہیں (دوسروں تک اس کے اثرات نہیں پہنچتے ہیں) اور جماعت صحابہ کی خیریت لوگوں کو نفع رسانی کے اعتبار سے ہے۔ پس لامحالہ اس کا تعلق تبلیغ دین، اشاعت اسلام، دینی امامت و پیشوائی اور شریعت کی تشریح و تبیین کے اعتبار سے ہے کیوں کہ جب وہ دین کے علمبردار ہوں گے، دین کے داعی اور مبلغ بن کر

---

[1] اخرجہ ابن جریر و ابن ابی حاتم عن السدی۔ کنز العمال ص ۲۳۸/۱۲ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد

دنیا میں پہونچیں گے تو دین کے مخفی گوشوں کو جس طرح وہ سمجھائیں گے وہی معتبر اور حجت شرعیہ ہوگا۔

۲: ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرا (النساء آیت ۱۱۵)

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستہ کے سوا اور راستہ چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کردیں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں جہنم کی وعید دو باتوں کے مجموعے پر سنائی گئی ہے۔

۱:- رسولؐ کی مخالفت کرنا۔

۲:- مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راستہ کی پیروی کرنا۔

اور مومنین کی سب سے پہلی اور افضل جماعت صحابہ کرام کی جماعت ہے، اس لئے صحابہ کرام ہی اس آیت کے مصداق اولیں اور فرد کامل ہوں گے۔

اس آیت سے صحابہ کرام کے راستہ کی اتباع بھی ویسی ہی ضروری ثابت ہوتی ہے جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اسی کا نام ہے، صحابہ کرام کا معیار حق ہونا۔

حدیثی دلائل

۱: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملة و تفترق امتی علیٰ ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول اللہ قال ما انا علیه واصحابی[1]

ترجمہ:- میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک جماعت کے سوا سب جہنم

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۰ بروایت ترمذی

میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول وہ کون سی جماعت ہے تو آپ نے فرمایا، وہ (اس راستہ کی پیروکار) جماعت ہے جس پر میں اور میرے صحابہ رضؓ ہیں۔

اس حدیث شریف میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ وہ ایک فرقہ جو ناجی ہوگا وہ کون سا ہے۔ جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جو قرآن پر عامل ہوگا اور نہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو قرآن پر اور میری حدیثوں پر عمل کرے گا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ وہ ناجی فرقہ وہ فرقہ ہے جو (قرآن کے ساتھ) میری حدیثوں کی اور میرے صحابہ کی پیروی کرے گا، اس لئے اہل قرآن فرقہ جو صرف قرآن کی پیروی کا دعویدار ہے وہ ناجی فرقہ نہیں ہے، نہ وہ فرقہ ناجی ہے جو قرآن کے ساتھ صرف حدیثوں پر عمل کا دعویدار ہے۔ بلکہ ناجی فرقہ صرف وہ ہے جو قرآن کے ساتھ احادیث شریفہ اور صحابہ رضؓ کی بھی پیروی کرتا ہے جس کا نام اہل السنۃ والجماعت ہے۔

سنت : یعنی احادیث نبویہ کو ماننے والے، اس جز سے جماعت حقہ کا اہل قرآن (منکرین حدیث) سے امتیاز ہو جاتا ہے اور جماعت والے یعنی جماعت صحابہ رضؓ کے اجماعی عمل کو حجت شرعیہ ماننے والے، اس جز سے فرقہ اہل حدیث سے امتیاز ہو جاتا ہے۔

غرض اس حدیث شریفہ سے نہایت واضح طور پر احادیث شریفہ کی طرح صحابہ رضؓ کا حجت شرعیہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور جس طرح ذات نبوی معیار حق ہے اسی طرح جماعتِ صحابہ رضؓ بھی حق کی کسوٹی ہے۔

۲:۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

"اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم"[1]

---

[1] مشکوٰۃ ص۵۵۴ بحوالہ رزین ، اس حدیث کو خود مودودی صاحب نے بھی لیا ہے، موصوف ایک سائل کو جواب دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ "حضورؐ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ ترکت فیکم الثقلین

(بقیہ ص۱۱ پر)

میرے صحابہ رض تاروں کی مانند ہیں، پس جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

یعنی جس طرح سے تاریک بیابانوں میں اور سمندری سفروں میں ثوابت تاروں کے ذریعہ مسافر اور راہ گیر راستہ پاتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچتے ہیں، اسی طرح سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آسمانِ رشد وہدایت کے نجوم وکواکب ہیں، امت جس کسی کو بھی اپنا رہنما بنائے گی، منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گی۔

اس حدیث سے ہر ہر صحابی کا معیار حق ہونا اور واجب الاتباع ہونا اور ان کے قول و فعل کا حجت شرعیہ ہونا اسی طرح ثابت ہوتا ہے، جس طرح پہلی حدیث سے جماعت صحابہ کا معیار حق ہونا ثابت ہوا تھا۔

آثار صحابہ سے دلائل :

(۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں :

ان اللّٰہ نظر فی قلوب العباد فاختار محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم فبعثہ برسالتہ وانتخبہ بعلمہ، ثم نظر فی قلوب الناس بعدہ فاختار ـــــــــــ اللّٰہ لہ اصحاباً فجعلہم انصار دینہ ووزراء نبیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فما راٰہ المومنون حسنا فہو

(بقیہ منا کا) بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین" (میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر چلو) اور یہ بھی فرمایا کہ "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" (میرے اصحاب تاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کسی کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے) پھر آخر کیا وجہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کو لیا جائے اور دوسرے ارشادات کو چھوڑ دیا جائے؟ کیوں نہ اہل بیت سے بھی علم حاصل کیا جائے اور ان کے ساتھ خلفائے راشدین اور اصحاب نبی رضی اللہ عنہم سے بھی الخ،

(رسائل ومسائل حصہ دوم صـ۳۷۷ بحوالہ کھلی چھٹی صـ۱۰۰،۱۰۱)

حسن وما راٰہ المومنون قبیحا فھو عند اللہ قبیح" [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب پر نظر ڈالی، پس اللہ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا اور آپ کو اپنا پیغام دے کر بھیجا، اور خوب جان کر آپ کو منتخب فرمایا، پھر آپ کے بعد اللہ تعالےٰ نے لوگوں کے قلوب پر دوبارہ نگاہ ڈالی، پس اللہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ ساتھی چن لئے جن کو اللہ نے اپنے دین کا مددگار بنایا ہے، لہٰذا جس چیز کو مومنین کاملین اچھا سمجھیں تو وہ اچھی ہے اور جس چیز کو یہ مومنین بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔

حضرت ابن مسعود رضؓ کے ارشاد کے آخری حصہ سے یہ بات واضح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام کا فہم حجت شرعیہ ہے اور یہ اتنی واضح بات ہے کہ جس کو سمجھانے کیلئے لمبی تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات، اولئك اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا خیر ھٰذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا، قوم اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ونقل دینہ فتشبھوا باخلاقھم وطرائقھم فھم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا علی الھدیٰ المستقیم واللہ رب الکعبۃ" [2]

ترجمہ: جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے تو اس کو ان لوگوں کی پیروی کرنی چاہئے جو وفات پاچکے ہیں (اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس کے بعد یہ بھی بڑھایا ہے کہ کوئی بھی زندہ فتنہ سے محفوظ نہیں ہیں، کذفی المشکوٰۃ فی اٰخر کتاب العلم ص۳۲)۔

---

[1] حلیۃ ابی نعیم جلد ۱ مطبوعہ مصر ص۳۷۵۔

[2] حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص۳۰۵ بحوالہ حیات الصحابہ عربی جلد ۱ ص۲۳۔

...... یہ صحابہ کرام ہیں جو اس امت کا بہترین حصہ ہیں، امت میں سب سے زیادہ نیک دل ہیں، علم میں سب سے زیادہ گہرائی رکھتے ہیں اور امت میں سب سے زیادہ بے تکلف ہیں، یہ ایسے حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے اور ان کے دین کی تبلیغ کے لئے چن لیا ہے، پس آپ حضرات ان کے اخلاق اور انکے طریقوں کو اپنائیں، کیوں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، کعبہ کے پروردگار کی قسم وہ حضرات صراط مستقیم پر تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے ان ارشادات میں پہلے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ "کوئی زندہ فتنہ سے محفوظ نہیں ہے" لہٰذا جس شخص کا بحالت ایمان صراط مستقیم پر چلتے ہوئے وفات پانا متحقق ہو جائے، اس کی پیروی درست ہے، مگر اس ضابطہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذوات قدسیہ مستثنیٰ ہیں، ان کی پیروی ان کی زندگی میں بھی لازم ہے کیوں کہ وہ معیار حق ہیں، اور یہ جملہ تو اس مضمون پر صاف دلالت کر رہا ہے کہ آپ حضرات ان کے اخلاق اور ان کے طریقوں کو اپنائیں۔

اجماع امت سے دلیل

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ سواد اعظم یعنی اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ جماعت صحابہ کے اجماعی فیصلے اور اجماعی عمل نص قطعی اور حجت شرعیہ ہے۔

اور اس بات پر بھی تقریباً چاروں ائمہ کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کی انفرادی رائیں اور شخصی فتاوی کی تقلید بھی واجب ہے، جیسا کہ اصول کی کتابوں میں موجود ہے

قال ابو سعید بردعی : تقلید الصحابی واجب یترك به القیاس لاحتمال السماع والتوقیف ولفضل اصابتهم فی نفس الرائے بمشاهدة احوال التنزیل ومعرفة اسبابه۔

(شیخ ابو سعید بردعی نے کہا ہے کہ صحابی کی تقلید واجب ہے اور اس کے مقابلے میں قیاس قابل عمل نہیں ہے کیوں کہ قول صحابی رضؓ میں یہ احتمال ہے کہ حضورؐ سے انھوں نے سنا ہو، نیز وہ اپنی اجتہادی رائے میں بھی زیادہ مصیب اور

درست ہیں، یہ اسی بناء پر ہے کہ انہوں نے نزول قرآن کا بچشم خود معائنہ کیا ہے اور اسباب نزول بھی انھیں اچھی طرح معلوم ہیں) ۔
یہاں تک حسامی کی عبارت ہے ۔ اس پر مولانا عبدالحق صاحب دھلوی رحمہ اللہ اس کی شرح نامی میں لکھتے ہیں :

"فبهذا الاعتبار لهم مزية على غيرهم وهٰذا وجه ترجيح رايهم على رائ غيرهم فكما اذا تعارض القياسان لمن بعدهم فيترجح احدهما على الأخر بنوع ترجيح فكذا ينبغى ان يترجح قياسهم على قياس غيرهم من المجتهدين لزيادة قوة رايهم من الوجوه التى ذكرت وبهذا اندفع ما توهم المخالفون ان قول الصحابى يحتمل الراى فكيف يترك به قياس غيرهم لمساواتهم فى الرائ وهٰذا هو مختار الشيخين وابى اليسر وهو مذهب مالك واحمد بن حنبل فى احدى الروايتين و الشافعى فى قوله القديم واليه مال المصنف" [1]

(اس لحاظ سے صحابہ کرامؓ کو دیگر اشخاص پر فوقیت حاصل ہے اور بایں وجہ ان کی رائے کو غیر کی رائے پر ترجیح دی جاتی ہے، نیز جس طرح بعد کے لوگوں کے دو قیاسوں میں جب تعارض ہو جاتا ہے تو کسی نہ کسی وجہ ترجیح کی بناء پر ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی ہے، اسی طرح صحابہ کرام کی رائے اور قیاس کو دیگر مجتہدین کی رائے پر ترجیح دی جائے گی، کیوں کہ صحابہ کرام کی رائے مذکورہ وجوہ کی بناء پر قوی تر ہے ۔

لہٰذا مخالفین کا یہ شبہ کہ صحابی کے قول میں اپنی رائے کا احتمال ہے ، اور رائے میں سب برابر ہیں، لہٰذا صحابی کی رائے کے باعث غیر کے قیاس کو کیونکر

---

[1] حسامی مع نامی ص ۱۹۰ ، ۱۲۸ ۔

چھوڑا جا سکتا ہے ــــــــــــ دور ہو گیا (اس اعتراض کی اب گنجائش نہیں) یہ (تقلید صحابی کا وجوب اور اس کے مقابلہ میں ترک قیاس) شیخین اور ابوالیسر صدر الاسلام کا مختار قول ہے۔ نیز امام مالکؒ، امام احمد رح، اور قول قدیم کے مطابق امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور مصنف کا بھی یہی رجحان ہو۔

اس کے برخلاف مودودی صاحب صحابی رض کی رائے گرامی کو ماننا لازم نہیں سمجھتے، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"یہ روایت اگرچہ بخاری ونسائی، ابن جریر اور دوسرے محدثین نے ابن عباس رض سے نقل کی ہے لیکن یہ ہے ابن عباس رض کی اپنی ہی رائے، کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے کہ اسے ماننا لازم ہو"

عقلی دلائل

عقل وفہم کا مقتضیٰ اور علم وحکمت کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کی طرح صحابہ کرام کی شخصیات بھی معتمد علیہ، معیار حق اور حجت شرعیہ ہوں، کیوں کہ آنحضورؐ کا لایا ہوا دین آفاقی ہے یعنی پوری انسانیت اور پوری دنیا کے لئے حضور اکرمؐ کو مبعوث فرمایا گیا، مگر سورۂ جمعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک امیین یعنی جزیرۃ العرب کے باشندے، اور دوسرے آخرین یعنی جزیرۃ العرب کے علاوہ ساری دنیا کے باشندے، اور ان دونوں قسموں کے

لہ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۶۷ ــ ۲۶۶، حاشیہ (۱۰۸) سورہ قصص ؛

مہ آیت ملاحظہ ہو ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۝ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم و ھو العزیز الحکیم۔ وہی تو ہے جس نے (عرب کے ناخواندہ) امی لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے درانحالیکہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے اور دوسروں کیلئے بھی ان میں سے (آپؐ کو بھیجا) جو ان میں شامل نہیں ہوئے اور بڑا زبردست ہے، حکمت والا ہے ، ۴

درمیان واو عاطفہ لایا گیا ہے جو من وجہٍ اتحاد اور من وجہٍ مغائرت پر دلالت کرتا ہے' اب اس اعتبار سے دونوں قسمیں متحد ہیں کہ یہ دونوں ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ مگر اس اعتبار سے دونوں میں فرق ہے کہ پہلی قسم میں کام کرنے کی ذمہ داری نبی اکرم ﷺ پر ڈالی گئی ہے' اور دوسری قسم میں کام کرنے کی ذمہ داری صحابہ کرام رض کے ذمہ رکھی گئی ہے' چنانچہ جب جزیرۃ العرب میں اسلام کی اشاعت کے آثار نمایاں نظر آنے لگے تو سورۃ النصر (اذا جاء نصر اللہ والفتح) کو نازل فرما کر آنحضور ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ آپ کا کام دنیا میں پورا ہو گیا' اب آپ ہمارے یہاں آنے کی تیاری میں لگ جائیں اور جزیرۃ العرب اور اس کے باہر ساری دنیا میں دین کی تبلیغ و اشاعت کی نمائندگی اور تبیین و تشریح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے کر دی گئی۔

غرض جب صحابہ کرام کے ذمہ نبیوں والا کام رکھا گیا ہے' تو نبیوں والا مقام بھی انھیں کسی درجہ میں ضرور حاصل ہوگا۔ کیوں کہ ان کا قول و فعل اگر حجت شرعیہ نہ ہو' اور وہ جو دین کی تشریح کریں وہ قابل اعتماد نہ ہو' تو ان کے ذریعہ سے دین کی تبلیغ و اشاعت کی کوئی صورت نہیں بنتی یعنی عقل و فہم کا فیصلہ یہ ہے کہ جب صحابہ کرام کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے تو لازماً اس ذمہ داری کے مقتضیات بھی تسلیم کرنے ہوں گے۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام رض بلاواسطہ فیضان نبوت سے مستفیض ہوئے ہیں اور بعد میں آنے والی امت بالواسطہ فیضان نبوت سے مستفیض ہوئی ہے اور عقل و فہم یہ بات بہت آسانی سے سمجھ سکتی ہے کہ استاذ کا بلاواسطہ اثر قوی ہوتا ہے' اور واسطہ در واسطہ میں ضعف آجاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ فیضانِ نبوت کی تاثیر کا ظہور صحابہ رض میں کس طرح ہوا؟ علم کے اعتبار سے یا عمل کے اعتبار سے' یا مقتدائیت کے اعتبار سے' لامحالہ صحابہ کرام کا امتیاز مقتدا ہونے کے اعتبار سے تسلیم کرنا ہوگا کیوں کہ محض علم کے اعتبار سے تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ مشہور ہے "کم ترک الاول للآخر" (پہلے گروہ نے بعد والے کے لئے کتنا ہی علم چھوڑا ہے)

اور صرف عمل کے اعتبار سے بھی ان کا امتیاز نہ مانا جائے گا' کیوں کہ عملی کمال اصل کمال نہیں ہے' لہٰذا مقتدائیت کے اعتبار سے صحابہ کرام کا امتیاز تسلیم کرنا ہوگا' اور مقتدا وہی ہوتا ہے جو کمال علمی کا بھی حامل ہو۔ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس بھی درحقیقت کمال علمی

کا مظہر اتم ہے اور اسی لئے وہ امت کے لئے مقتدا ہے اور یہی خصوصیت اور امتیاز آفتاب نبوت سے بلا واسطہ فیض پانے والے صحابہ کرام رض کو بھی حاصل ہے، لہٰذا وہ بھی مقتدا اور معیار حق ہوں گے۔ چنانچہ صحابہ کرام رض کو معیار حق نہ ماننا جادۂ حق سے انحراف اور کھلی گمراہی ہے۔

صحابہ کرام تنقید سے بالاتر ہیں

ماقبل کی تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ امت مسلمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے مقدس گروہ صحابہ کرام کا ہے اور وہ معیار حق بھی ہیں تو پھر ان پر تنقید کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، یقیناً وہ تنقید سے بالاتر ہوں گے۔

کیوں کہ تنقید کا مسئلہ درحقیقت پہلے مسئلہ کا شاخسانہ ہے، تنقید کہتے ہیں کسی چیز میں غور و فکر اور تامل کرنے کے بعد یہ تمیز کرنا کہ وہ جید ہے یا ردی۔ کھری ہے یا کھوٹی، مگر یہ جاننے کا حق اسی کو ہوگا جسکے پاس جانچنے کی کسوٹی ہو میا ہو، اور صحابہ کرام تو خود حق و باطل کے پرکھنے کا معیار ہیں، انھیں یہ حق ہوگا کہ امت کے خطا و ثواب کا فیصلہ کریں۔

دوسرے یہ کہ پرکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شئ میں کھوٹ ہو سکتی ہے حالانکہ صحابہ کرام رض جمہور امت کے نزدیک پاکیزہ تر ہیں، ان میں عیب جوئی اور تنقید و تنقیص کے کیا معنی!

مزید برآں تنقید کا منشا یہ ہوتا ہے کہ ان کا علم اس مسئلہ میں صحیح نہیں بلکہ یہ فائق ہے اس کا علم صحیح ہے۔ اب آپ خود ہی سوچئے کہ امت میں صحابہ کرام رض سے فائق تر کون ہو سکتا ہے ——؟

چنانچہ سلف سے خلف تک تمام علماء اہل سنت والجماعت کا متفقہ اجماع چلا آرہا ہے کہ تمام صحابہ کرام رض کا ذکر اچھائی سے کرنا واجب ہے، جمہور امت کے نزدیک تنقیص اور صحابہ کرام کو برائی کے ساتھ ذکر کرنا باطل و ناجائز ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رض کی بدگوئی اور ان پر سب وشتم کی ممانعت فرمائی ہے۔

○ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تسبّوا احدا من اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذھبا ما ادرک مدّ احدھم ولا نصیفہ [1]

(حضرت ابو سعید خدری رض فرماتے ہیں کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہنا، کیوں کہ تم میں سے اگر کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللّٰہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ ثواب میں صحابہ کے ایک بلکہ آدھے مُد جَو کے خرچ کے ثواب کو بھی نہ پہنچ سکے گا۔

حدیث میں لفظ "مُد" آیا ہے۔ مُد ایک پیمانہ ہے جو عرب میں رائج تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ آج کل مروجہ وزن کے لحاظ سے ایک سیر سے کچھ کم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحبت نبوی کی نعمت عظمیٰ کے باعث ان کے عمل کے مقابلہ میں غیر صحابی کا عمل کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

اس حدیث کے شروع میں جو یہ ارشادِ گرامی ہے : لا تسبوا اصحابی۔۔۔۔۔ یعنی میرے صحابہ رض پر سبّ نہ کرو، لفظ سبّ کا ترجمہ اردو میں عموماً گالی دینا کیا جاتا ہے جو اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں، کیوں کہ گالی کا لفظ اردو زبان میں فحش کلام کے لئے آتا ہے، حالانکہ لفظ سبّ عربی زبان میں اس سے زیادہ عام ہے، ہر اس کلام کو عربی میں سبّ کہا جاتا ہے جس سے کسی کی تنقیص ہوتی ہے۔ گالی کے لئے ٹھیٹ لفظ عربی میں شتم آتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رح نے الصارم المسلول میں فرمایا کہ اس حدیث میں لفظ سبّ ایسے عام معنی کے لئے آیا ہے جو لعن طعن کرنے کے مفہوم سے عام ہے۔ [2] ۔۔۔ چنانچہ ایسا کلام جس سے کسی کی تنقیص و توہین یا دل آزاری ہوتی ہے وہ سب لفظ "سبّ" میں داخل ہیں

ایک اور حدیث میں آنحضور صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا :

○ اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم

---

[1] مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۱۰ ۔

[2] بحوالہ مقام صحابہ ص۵ (از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح)

ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ ومن اذی اللّٰہ فیوشك ان یاخذہ۔ [1]

ترجمہ: لوگو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا، اللہ سے ڈرنا، ان کو میرے بعد اعتراضات کا نشانہ نہ بنانا، جو ان سے محبت کرے گا تو مجھ سے محبت کی بناء پر ان سے محبت کرے گا، اور جو ان سے دشمنی رکھے گا تو مجھ سے دشمنی کی بناء پر دشمنی رکھے گا، اور جو ان کو دکھ دے گا اس نے مجھے دکھ دیا، اور جس نے مجھے دکھ دیا پس اس نے اللہ کو ستایا اور جس نے اللہ کو ستایا عنقریب اللہ عذاب میں گرفتار کرے گا۔

یہ حدیث ان لوگوں کی تنبیہ کے لئے کافی ہے جو اصحاب رسول اللہ کو آزادانہ تنقید کا نشانہ بناتے ہیں یا ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ جن کا پڑھنے یا سننے والا صحابہ کرام رضہ سے بدگمان ہو جائے یا کم از کم ان کا اعتماد اس کے دل میں باقی نہ رہے۔

اب جو لوگ ایسا کر رہے ہیں وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کر رہے ہیں۔

○ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث میں تو صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے والے اور تنقیص کرنے والے کے لئے سخت وعید ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللّٰہ علی شرکم۔ [2]	جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ رضہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان سے کہو کہ تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے مقابلہ میں وہی بدتر ہو سکتا ہے جو ان کو بُرا کہنے والا ہے۔ حدیث بالا میں صحابی رضہ کو بُرا کہنے والا مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے۔

ان مذکورہ روایات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ کا ذکر بھلائی سے کرنا واجب ہے صحابہ رضہ کو برائی کے ساتھ ذکر کرنے والے کو بد اعتقاد کہا گیا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۵۵۴ بروایت ترمذی

[2] " " "

محدث جلیل حافظ ابوزرعہ رازی متوفی ۲۶۰ھ فرماتے ہیں :

اذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذلک ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عندنا حق والقرآن حق وانما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتب والسنۃ والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقۃ۔[1]

جب تم کسی کو حضورؐ کے کسی صحابی پر تنقید و تنقیص کرتے دیکھو تو یقین کر لو کہ وہ زندیق اور بداعتقاد ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور قرآن بھی حق ہے اور ہم تک تو قرآن کریم اور سنن نبویہؐ صحابہ کرام رضؓ نے پہنچائی ہیں تو یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح کر دیں تاکہ کتاب و سنت سے اعتماد اٹھ جائے حالانکہ یہ خود جرح کے زیادہ مستحق ہیں، کیوں کہ یہ زنادقہ اور بے دین ہیں (یہ قول بہت سے علماء اصول حدیث نے نقل کیا ہے)۔

محقق ابن ہمام حنفی اور علامہ ابن ابی شریف شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تمام صحابہ کے وجوب تزکیہ کا ہے کہ ان سب کی عدالت مان لی جائے اور ان میں طعن کرنے سے روکا جائے اور ان کی ایسی ثناء اور صفت بیان کی جائے جیسی کہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے (جتنی امتیں ہیں) تم کو متوسط امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو الخ"[2]

مشاجرات صحابہ اور اہل حق

علماء امت نے صحابہ کرام کے باہمی اختلافات ومعرکوں کو جنگ وجدال سے تعبیر نہیں کیا، بلکہ اذبا مشاجرۃ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یہ عربی لفظ ہے اور شجرۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی تنے دار درخت

---

[1] الکفایہ فی علم الروایۃ ص۴۹ للخطیب البغدادی (ورواہ کثیر من اصحاب اصول الحدیث) مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ؛ [2] ترجمہ از مسامرۃ شرح مسایرہ ص۱۳۰ ؛

کے ہیں جس کی شاخیں اطراف میں پھیلتی ہیں اور درخت کی شاخوں کا ایک دوسرے میں گھسنا اور ٹکرانا مجموعی حیثیت سے کوئی عیب نہیں ہے بلکہ درخت کی زینت اور کمال ہے، اسی مناسبت سے یہاں باہمی نزاع کو مشاجرت کہا جاتا ہے۔

مشاجرات صحابہ رضؓ کے سلسلے میں بھی اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضؓ کی بعض ثابت روایات کی بھی تاویل کی جائے گی تاکہ امت مسلمہ ان قدسی صفات حضرات صحابہ کرام رضؓ کے بارے میں شکوک وشبہات سے محفوظ رہے اور جو روایات قابلِ تاویل نہ ہوں تو ان کو مردود سمجھا جائے گا، کیوں کہ صحابہ کا تقدس نصوص قدسیہ سے ثابت ہے ان کے مقابلہ میں متعصبانہ افتراء پردازی اور تنقید وتنقیص والی روایات مردود ہونگی۔

چنانچہ حافظ تقی الدین ابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں۔

وما نقل فيما شجر بينهم واختلفوا فيه فمنه ما هو باطل وكذب فلا يلتفت اليه وما كان صحيحًا اولناه تاويلاً حسنا لان الثناء عليهم من الله سابق وما نقل من الكلام اللاحق محتمل للتاويل والمشكوك والموهوم لا يبطل المتحقق والمعلوم هذا ا۔ ؎

صحابہ کرام کے جو آپسی اختلافات منقول ہیں ان کا ایک حصہ بالکل باطل اور جھوٹ ہے جو قابل توجہ ہی نہیں اور جو کچھ صحیح ہے اس کی ہم بہتر تاویل ہی کریں گے کیوں کہ حق تعالیٰ کی جانب سے ان کی تعریف مقدم ہے اور بعد کا منقول کلام قابل تاویل ہے، مشکوک اور موہوم چیزیں یقینی اور ثابت شدہ شئ کو باطل نہیں کرسکتی یہ عقیدہ محفوظ کرلو۔

ایک شبہ کا ازالہ صحابہ کرام رضؓ کا اختلاف بعض معاملات میں باہمی جنگ وخونریزی تک پہنچ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہے دوسرا خطاء پر، دونوں فریق کی یکساں تعظیم واحترام کو کیسے قائم رکھا جائے؟ جس کو خطاء پر قرار دیا جائے

؎ بحوالہ عدالت صحابہ ص۳۱-۳۲۔

اس کی تنقیص ایک لازمی چیز ہے۔

علماء امت نے ان دونوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لئے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو، خصوصاً مشاجرات صحابہ میں، تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے، ان کا مقابلہ کرنے والے خطاء پر، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے، اور ان کے مقابل حضرت معاویہ اور ان کے اصحاب خطاء پر، البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطاء قرار دیا، جو شرعاً گناہ نہیں، جس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطاء ہوگئی تو ایسے خطاء کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔

باجماع امت ان حضرات صحابہ رضی کے اس اختلاف کو بھی اس طرح کا اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں۔

اس طرح ایک طرف خطاء وصواب کو بھی واضح کر دیا گیا، دوسری طرف صحابہ کرام رضی کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا۔ اور مشاجرات صحابہ رضی میں کف لسان اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی، بلا وجہ ان روایات وحکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئیں ہیں۔

تفسیر قرطبی سورۂ حجرات میں آیت وان طائفتان من المومنین اقتتلوا" کے تحت مشاجرات صحابہ پر سلف صالحین کے اقوال کے ساتھ بہترین تحقیق فرمائی ہے۔[1]

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ مقام صحابہ از ص۵۳۔

عدالتِ صحابہ

صحابہ کرام کے عادل ہونے پر امت کا اجماع ہے، سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ عادل کسے کہتے ہیں..... حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا ہے :

والمراد بالعدل من له ملكة تحمله على ملازمة التقوىٰ والمروة والمراد بالتقوى اجتناب الاعمال السئيه من شرك او فسق او بدعة .[1]	عادل سے مراد وہ شخص ہے جسے ایسا ملکہ حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور مروت کی پابندی پر برانگیختہ کرے، اور تقوی سے مراد شرک، فسق اور بدعت، جیسے اعمال بد سے اجتناب ہے۔

بہرحال صحابہ کرام رض سب کے سب عادل ہیں، صحابہ رض کی عدالت، وثقاہت پر قطعی دلائل موجود ہیں، بلاچوں وچرا ان کو عادل تسلیم کرنا ضروری ہے، راوی غیر صحابی کی عدالت کے متعلق تو چھان بین ہوگی، مگر صحابہ کی عدالت میں تفتیش نہیں ہوگی، صحابہ رض کی عدالت یہ اہل سنت کا مذہب ہے، یہ دیگر عام رواۃ کی طرح نہیں ہیں، اور صرف روایت حدیث ہی میں نہیں بلکہ دوسرے معاملات زندگی میں بھی وہ عدالت کی صفت سے متصف ہیں۔ فسق کی صفت سے متصف نہیں ہوسکتے، اگر ان کی عدالت مجروح ہو تو پھر اعتماد کامل کیسے حاصل ہوسکتا ہے جب کہ صحابہ کرام رض دین کے ستون ہیں، اس لیے ان پر جرح وتعدیل نہیں ہوگی۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں :

الصحابة يشاركون سائر الرواة فى جميع ذلك الا فى الجرح والتعديل فانهم كلهم عدول لا يتطرق اليهم الجرح لان الله عزوجل ورسوله	صحابہ کرام رض سب امور میں عام رواۃ کی صفات (حفظ اتقان وغیرہ) میں شریک ہیں مگر جرح تعدیل میں نہیں کیوں کہ وہ سب کے سب عادل ہی ہیں، ان پر جرح کی کوئی سبیل نہیں کیونکہ

---

[1] نزہتہ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ص ۲۴-۲۵ ؛

زکیاھم وعدلاھم وذلک مشہور لایحتاج لذکرہ۔[1]

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انکو پاک صاف اور عادل قرار دیا ہے، اور یہ مشہور چیز ہے جس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپس میں قتال کرنے والے عادل نہیں ہیں۔

معتزلہ کی رائے ہے کہ حضرت علی سے لڑنے والوں کے سوا سب عادل ہیں، مگر یہ اقوال درست نہیں۔ اس پر اجماع امت ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔

چنانچہ امام نووی ماتن اور امام جلال الدین سیوطی رہ شارح فرماتے ہیں:

الصحابۃ کلھم عدول من لابس الفتن وغیرھم باجماع من یعتد بہ وقالت المعتزلۃ عدول الامن قاتل علیاً وقال اذا انفرد وقیل اوالقاتل والمقاتل لہ وھذا کلہ لیس بصواب احسانا للظن بہم وحملا لھم فی ذالک علی الاجتہاد للماجور فیہ کلھم منھم۔[2]

سب صحابہ کرام رض عادل ہیں فتنہ سے دوچار ہونے والے بھی، اور دوسرے بھی، اس پر معتمد ترین علماء کا اجماع ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ حضرت علی سے لڑنے والوں کے سوا سب عادل ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب صحابیؓ تنہا روایت کرے (تو عادل شمار نہ ہوگا) ایک قول یہ بھی ہے کہ آپس میں لڑائی کرنے والے عادل نہیں، یہ سب اقوال درست نہیں تاکہ صحابہ سے حسن ظن رہے اور ان مشاجرات کو اس خطاء اجتہادی پر محمول کیا جائے جس میں ہر ایک کو اجر و ثواب ملے گا۔



---

[1] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۱ صـ ۳۔

[2] ملاحظہ ہو تقریب مع شرح تدریب الراوی صـ ۴۰۲ مطبوعہ مصر۔

مودودی صاحب اور عدالت صحابہ رض

صحابہ کرام رض کے سلسلہ میں مودودی صاحب نے پہلے ہی جڑ کاٹ دی کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق نہیں، تنقید سے بالاتر نہیں اور صحابہ کرام رض پر تنقید بھی خوب کی، حتی کہ مودودی صاحب کے قلم نے نکتہ چینیوں کا ایک انبار لگا دیا، بعض صحابہ کی طرف فسق تک کی نسبت کی کہ وہ ــــــ گالیوں کی بوچھار کرتے تھے اور فلاں نے کتاب اللہ اور سنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی، یعنی گناہ کبیرہ کیا، اسی کا نام تو فسق ہے، اور جب فسق سے متصف ہو گئے (نعوذ باللہ) تو پھر عدالت کہاں رہی!

پھر جب ملت اسلامیہ کی طرف سے اس فاسد عقیدے کے خلاف اشکالات کی بوچھار ہوئی" تو مودودی نے اولاً اپنا عقیدہ عدالت صحابہ کے سلسلے میں وہی بیان کیا جو عام محدثین وفقہاء امت کا ہے، پھر حسب عادت اپنی انفرادی شان ظاہر کرنے کے لئے "لیکن" کہہ کر جمہور امت کے عقیدے کو ٹھکرا دیا کہ بس روایت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں صحابی دیدہ و دانستہ غلطی نہیں کرتے، یہاں بھی مودودی صاحب جمہور امت سے الگ کھڑے نظر آتے ہیں.

اس سلسلہ میں مودودی صاحب کا وضاحتی بیان ملاحظہ ہو ــــ اور غور کریں کہ کتنے سلیقہ کے ساتھ جمہور سے کھسک گئے ہیں ..... مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام رض کے متعلق میرا عقیدہ بھی وہی ہے جو عام محدثین وفقہاء اور علماء امت کا عقیدہ ہے کہ "کلھم عدول" ظاہر ہے ہم تک دین کے پہنچنے کا ذریعہ وہی ہیں اگر ان کی عدالت میں ذرہ برابر بھی شبہ پیدا ہو جائے تو دین ہی مشتبہ ہو جاتا ہے لیکن میں "الصحابۃ کلھم عدول" (صحابہ سب راستباز ہیں) کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہ رض بے خطا تھے، اور ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا، اور ان میں سے کسی نے بھی کوئی غلطی نہیں کی ہے بلکہ میں اس کا

مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے، یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کسی صحابی رض نے کبھی راستی سے ہرگز تجاوز نہیں کیا ہے" ــــــ (چند سطروں کے بعد) ــــــ صحابہ رض کی عدالت کو اگر اس معنی میں لیا جائے کہ تمام صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پورے وفادار تھے، اور ان سب کو یہ احساس تھا کہ حضور ؐ کی سنت و ہدایت امت تک پہنچانے کی بھاری ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، اس لئے ان میں سے کسی نے کبھی کوئی بات حضور کی طرف غلط طور پر منسوب نہیں کی ہے تو الصحابۃ کلھم عدول کی یہ تعبیر بلا استثناء تمام صحابہ رض پر راست آئے گی، لیکن اگر اس کی یہ تعبیر کی جائے کہ بلا استثناء تمام صحابہ رض اپنی زندگی کے تمام معاملات میں صفت عدالت سے کلی طور پر متصف تھے اور ان میں سے کسی سے کوئی کام عدالت کے منافی صادر نہیں ہوا، تو یہ ان سب پر راست نہیں آسکتی۔ بلاشبہ ان کی بہت بڑی اکثریت عدالت کے بڑے اونچے مقام پر فائز تھی، مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں ایک بہت قلیل تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جن سے بعض کام عدالت کے منافی صادر ہوئے ہیں" [1]

یہ مودودی صاحب کی تحریر ہے مگر یاد رہے کہ جمہور امت صحابہ کرام رض کی قلیل تعداد بھی ایسی نہیں مانتے جو عادل نہ ہوں۔ اور کوئی خطاء ہوگئی ہے تو اس کو علماء حق خطاء اجتہادی مانتے ہیں۔ درس گاہ نبوت سے براہ راست ان فیض یافتہ پاک نفوس کے متعلق مودودی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"ان سب نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حضور ؐ کی تعلیم اور صحبت کا اثر کم و بیش قبول کیا تھا، مگر ان میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے تھے، اور فی الواقع تھے جن کے اندر تزکیہ نفس کی اس بہترین تربیت کے باوجود کسی نہ کسی پہلو میں کوئی کمزوری باقی

---

[1] خلافت و ملوکیت ص ۲۷۸-۲۷۹

رہ گئی تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور یہ صحابہ کرامؓ کے ادب کا کوئی لازمی تقاضہ بھی نہیں ہے کہ اس کا انکار کیا جائے" [1]

مودودی صاحب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بہترین تربیت کے اعتراف کے باوجود یہ مانتے ہیں کہ بعض صحابہ رضؓ میں کسی نہ کسی پہلو سے کمزوری تھی۔ (العیاذ باللہ)۔

مودودی صاحب کے نزدیک صحابی یا غیر صحابی کسے باشد لیپ پوت کر کے غلطی کو چھپانا بھی علمی تحقیق کے خلاف ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب آگے یوں رقم طراز ہیں:

"تمام بزرگان دین کے معاملہ میں عموماً اور صحابہ کرامؓ کے معاملہ میں خصوصاً میرا طرز عمل یہ ہے کہ جہاں تک کسی معقول تاویل سے یا کسی معتبر روایت کی مدد سے ان کے کسی قول یا عمل کی صحیح تعبیر ممکن ہو اسی کو اختیار کیا جائے اور اس کو غلط قرار دینے کی جسارت اس وقت تک نہ کی جائے جب تک کہ اس کے سوا چارہ نہ رہے، لیکن دوسری طرف میرے نزدیک معقول تاویل کی حدوں سے تجاوز کر کے 'اور لیپ پوت کر کے غلطی کو چھپانا' یا غلط کو صحیح بنانے کی کوشش کرنا نہ صرف انصاف اور علمی تحقیق کے خلاف ہے بلکہ میں اسے نقصان دہ بھی سمجھتا ہوں، کیوں کہ اس طرح کی کمزور وکالت کسی کو مطمئن نہیں کر سکتی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صحابہ رضؓ اور دوسرے بزرگوں کی اصل خوبیوں کے بارے میں جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے۔ اس لئے جہاں صاف صاف دن کی روشنی میں ایک چیز اعلانیہ غلط نظر آرہی ہو، وہاں بات بنانے کے بجائے میرے نزدیک سیدھی طرح یہ کہنا چاہیئے کہ فلاں بزرگ کا یہ قول یا فعل غلط تھا غلطیاں بڑے انسانوں سے بھی ہو جاتی ہیں، اور ان سے ان کی بڑائی میں کوئی فرق نہیں آتا" [2]

---

[1] خلافت و ملوکیت صـ ۲۸۳؛
[2] " " صـ ۲۸۴۔

تبصرہ مودودی صاحب کو صحابہ کرام رضی کی طرف غلطی کو منسوب کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہے، خواہ وہ غلطی غلط حوالوں سے ثابت ہوتی ہو، نیز ان کے نزدیک صحابی اور غیر صحابی میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، اور کتنا ہی ان کو داغ دار کر دیا جائے، ان کی بڑائی میں کوئی فرق نہیں آتا، مودودی صاحب کی یہ عجیب منطق ہے۔

دراصل مودودی صاحب نے مبہم طور پر ماضی کے اشخاص کو تو پہلے ہی غیر معتمد قرار دے دیا ہے، بعد میں ان مقدس ہستیوں (صحابہ کرام رضی) کو اس قدر بے اعتماد کر دیا کہ کوئی ان کا اعتبار اور ان پر اعتماد نہ کر سکے گا بلکہ ان سے بد گمان ہو جائے گا۔ سوائے اس کے کہ جو مودودی صاحب سے بد گمان ہو جائے یقیناً اس کا تو صحابہ کرام سے حسن ظن برقرار رہے گا اور اہل سنت والجماعت کی یہی شان ہے۔

قرآن مقدس میں جگہ جگہ صحابہ کرام رضی کے لئے رضاء خداوندی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ اور کہیں "أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (یہی لوگ کامیاب ہیں) اور کہیں اولئك هم الصادقون (یہی لوگ سچے ہیں) کا فیصلہ سنایا گیا ہے۔

اس موقع کی ایک آیت بھی پیش ہے جس میں تمام ہی صحابہ کرام رضی کے حق میں فرمایا گیا ہے کہ خداوند کریم نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر وفسق اور گناہوں کی نفرت ڈال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئك هم الراشدون فضلاً من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم۔ (سورہ حجرات)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب کر دیا اور اسکو تمہارے دلوں میں مزین بنا دیا اور کفر وفسق اور نافرمانی کو تمہارے لئے مکروہ بنا دیا ایسے ہی یہ لوگ اللہ کے فضل اور نعمت سے ہدایت یافتہ ہیں اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

مگر مودودی صاحب نے بعض صحابہ کرام کی طرف بلا جھجک فسق وغیرہ کی نسبت کی ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہو گا۔

صحابہ کرام کی خطاء اجتہادی کے متعلق مودودی نظریہ :

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل تربیت نے صحابہ کرام رضہ کو آداب واخلاق سے آراستہ وپیراستہ کر کے کامل بنا دیا تھا، نیز جنت و رضوان کی بشارتوں سے خدائے برتر نے بھی بہرہ ور بنا دیا ہے، اب ان کی پاکیزہ زندگی میں دوچار واقعات کسی سے نامناسب اگر ظہور میں آئے ہیں توان کو خلاف اولیٰ یا خطاء اجتہادی سے تعبیر کریں گے ——— جمہور امت کا یہی مذہب ہے۔ کوئی دشمن اسلام ہی ان کے دامن تقدس کو داغ دار کر سکتا ہے، ورنہ اہل اسلام کا تو یہ عقیدہ ہے کہ مشاجرات صحابہ تک کو خطاء اجتہادی پر محمول کیا جائے، جس میں ہر ایک کو اجر وثواب ملے گا، جیسا کہ گذرا ——— نیز عقائد کی مشہور کتاب عقائد نسفیہ میں ہے :

ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر[1]　　یعنی اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضہ کا ذکر بجز خیر اور بھلائی کے نہ کرے۔

لیکن مودودی صاحب نے بعض صحابہ کرام کی خوب عیب جوئی کی ہے اور موصوف صحابہ کرام رضہ کے خطاء اجتہادی کو اجتہادی غلطی ہی کہنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ ایک طرف ان کو واجب الاحترام کہہ رہے ہیں، مگر ان کی غلطی کو غلطی کہنے پر مصر ہیں، شرف صحابیت کی رعایت کرنے کے وہ بالکل روادار نہیں ہیں، نیز صحابہ کرام رضہ کے غلط کام کو اجتہاد کہنا مودودی صاحب کے نزدیک زیادتی ہے۔

چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں :

"بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ کے تمام صحابہ رضہ واجب الاحترام ہیں، اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبہ کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے، مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت

---

[1] شرح العقائد ص ۱۱۲۔

کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط
کام اگر ان کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں، تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا
کہہ کر ایسے اجتہادات سے روک سکتے ہیں، اجتہاد کے تو معنیٰ ہی یہ ہیں کہ امر حق معلوم کرنے کیلئے
آدمی اپنی انتہائی حد وسع تک کوشش کرے، اس کوشش میں نادانستہ غلطی بھی ہو جائے، تو
حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اجر کی مستحق ہے۔ لیکن جان بوجھ کر ایک
سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا...
درحقیقت اس طرح کے معاملات میں افراط و تفریط دونوں ہی یکساں احتراز
کے لائق ہیں۔

کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا، بلکہ صحابی
کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے"۔[1]

مودودی صاحب کے نزدیک صحابہ رضؓ نے جان بوجھ کر اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت
غلط کام کئے ہیں۔ (العیاذ باللہ)



مودودی صاحب صحابہ کرام رضؓ کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے بلکہ تنقید اور نکتہ چینی کے
جواز کے لئے دلائل و شواہد پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، ـــــ وہ لکھتے ہیں ؛

"اگر بعض ایسے واقعات جو احادیث میں آئے ہیں یا جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے
یا جو تاریخ سے ثابت ہیں، تو محض ان واقعات کو بیان کرنا اگر گناہ ہے تو امت
کے تمام محدثین رحؒ اور مؤرخین اور مفسرین سب گنہ گار قرار پاتے ہیں کوئی نہیں
بچتا.....

---

[1] خلافت و ملوکیت ص ۱۳۴۔

خود قرآن مجید میں صحابہ کرام رضؓ کی بعض غلطیوں کا ذکر کیا گیا ہے، سورۂ جمعہ میں یہ ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ تاجروں کا ایک قافلہ آیا اور صرف بارہ صحابہؓ رہ گئے، بعض روایات میں یہ تعداد چالیس آئی ہے باقی سارے کے سارے خطبہ چھوڑ کر قافلہ کی طرف چلے گئے، یہ قرآنِ مجید کا بیان کیا ہوا واقعہ ہے، اور حدیث و تفسیر کی کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس میں سورۂ جمعہ کی تفسیر میں اس واقعہ اور اس کی تفصیلات کو بیان نہ کیا گیا ہو، اگر اس چیز کا نام صحابہ کرام رضؓ پر نکتہ چینی ہے تو اس سے کون بچا ہے؟ سب سے پہلے تو اللہ میاں نے ابتداء کی، اور اس کے بعد سارے محدثین و مفسرین نے یہ کام کیا۔ اگر ان واقعات کو بیان کرنا صحابہ کرام رضؓ کی تنقیص اور نکتہ چینی ہے تو مجھے بتایا جائے کہ قرآن مجید اور اس امت کے عظیم دینی، علمی اور تفسیری خزانے کے ساتھ کیا سلوک کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے؟ اب اس مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو کو لیجئے!

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ خود یہ چاہتا تھا کہ صحابہ کرام پر تنقید کی جائے؟ اگر نہیں چاہتا تھا تو قرآن مجید میں ان واقعات کا ذکر کیوں کیا گیا کہ لوگ قیامت تک انھیں پڑھتے رہیں؟ جنگ احد کے موقعہ پر جو پچاس صحابی رضؓ ایک خاص مقام پر متعین کئے گئے تھے، اور وہاں سے ہٹ گئے تھے، ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے، اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟ حدیث اور تاریخ کی کون سی کتاب ہے جس میں اس کا ذکر نہیں ہے۔"[1]

دراصل مودودی صاحب کا یہ انداز اہل تشیع سے درآمد کیا ہوا ہے۔ صحابہ پر طعن کرنے کے سلسلے میں وجہ جواز کے طور پر شیعہ حضرات نے بطور دلیل کے آیات عتاب کو پیش کیا ہے جن میں صحابہ کرام رضؓ کی لغزشوں کا ذکر ہے اگرچہ ساتھ ہی معافی کی سند بھی اللہ تعالیٰ

---

[1] تقریحات ابوالاعلیٰ مودودی ص ۱۰۱-۱۰۰۔

نے دے دی ہے، مگر عیب چیں نگاہ ہمیشہ عیوب پر پڑتی ہے، آفتاب جیسی واضح خوبیاں اسے نظر نہیں آتیں۔ حالانکہ مودودی صاحب نے جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور صحابہ کے متعلق یہ بات کہی ہے کہ سارے کے سارے خطبہ چھوڑ کر قافلہ کی طرف چلے گئے اس کے ساتھ ساتھ مودودی صاحب یہ بھی بتلا دیتے کہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے اور اسوقت خطبہ جمعہ عید کی نماز کی طرح جمعہ کی نماز کے بعد تھا، نماز ہو چکی تھی، قحط سالی کا زمانہ تھا، عام صحابہ خطبہ جمعہ کے آداب سے ابھی واقف نہیں ہوئے تھے، بہر حال اس وقت کا ماحول اگر سامنے ہو تو وہ تاثر قائم نہیں ہوگا، جو مودودی صاحب نے دینے کی کوشش کی ہے۔

رہا احد کا واقعہ، تو سورۂ آل عمران میں اس واقعہ کے ذکر کے بعد وہیں معافی کا پروانہ سنا دیا گیا ہے، اور یہ انداز استدلال کہ اللہ میاں نے نکتہ چینی کی ابتداء کی، تو ہم بھی صحابہ رضؓ پر نکتہ چینی کر سکتے ہیں۔ یہ وہی اختیار کر سکتا ہے جو عقل و دانش سے کورا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے تین (انجیر) زیتون وغیرہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ مودودی کے معتقدین شاید یہ استدلال کریں گے کہ اللہ میاں نے غیر اللہ کی قسمیں کھائی ہیں تو ہمیں کون روک سکتا ہے۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست

مشتے نمونہ از خروارے

اب صحابہ کرام رضؓ پر مودودی صاحب کی تنقید کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

عام صحابہ رضؓ پر تنقید

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ عامی لوگ نہ کبھی عہد نبوی میں معیاری مسلمان تھے اور نہ اس کے بعد کبھی ان کو معیاری مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہے۔ معیاری مسلمان

لہ جیسا کہ اکثر مفسرین نے سورۂ جمعہ میں اس آیت کے تحت احادیث کی روشنی میں ان سب چیزوں کو بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر سورۂ جمعہ وغیرہ۔

تو در اصل اس زمانے میں بھی وہی تھے، اور اب بھی وہی ہیں جو قرآن و حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں، اور جن کی رگ و پے میں قرآن کا علم اور نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا" لہ

مودودی صاحب نے اس میں صحابہ کرام رضؓ پر تنقید ہی نہیں بلکہ تنقیص کی ہے۔ صحابہؓ ان کو معیاری مسلمان نظر نہیں آتے، حالانکہ ان کے باہمی فرق مراتب کے باوجود صحابی بعد کے ولی اور قطب سے بھی افضل ہے، علماء اہل حق کا یہی مسلک اور عقیدہ ہے۔

○ مودودی صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"احد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقعہ پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے"

آگے لکھتے ہیں:

"سود خواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خواری کی وجہ سے دو قسم کی اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں، سود لینے والوں میں حرص و طمع اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض و حسد، احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا" ٢

ذرا مودودی صاحب کی اس تفسیر کو غور سے پڑھئے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے صحابہ کی سیرت و ذہن پوری طرح نہ بدلے تھے، اور زمانہ جاہلیت میں سودی لین دین کا جو رواج تھا اس کا اثر تا جنگ احد باقی تھا (معاذ اللہ)

مودودی صاحب دوسری جگہ یوں رقمطراز ہیں:

○ "ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا، اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے

لہ تفہیمات جلد ۲ ص ۳۱۰۔ ٢ تفہیم القرآن جلد ۱ ص ۲۸۷۔

تھے۔ ابن عمرؓ نے سنا کہ ابوہریرہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے۔ فرمانے لگے۔ کہ ابوہریرہ جھوٹے ہیں" لہ

حضرت عثمان رضؓ پر تنقید مودودی صاحب بنیادی طور پر کسی بھی صحابیؓ کی لغزش کو معاف کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، حتیٰ کہ جلیل القدر صحابہ رضؓ کو بھی نہیں چھوڑا خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضؓ کی پالیسی کا ذکر کرنے کے بعد مودودی صاحب یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"حضرت عثمان رضؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو، اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی رضؓ کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے" ؎

حضرت علی رضؓ پر تنقید مودودی صاحب کا مزاج تنقیدی ہے۔ اس لئے وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے بارے میں کچھ نہ کچھ حقائق دریافت کر لیتے ہیں اور اپنی تنقید کا تیر اس پر داغ دیتے ہیں، چنانچہ حضرت علی کی ساری خصوصیات اور ان کے محاسن بتلانے کے بعد موصوف کو ایک ایسا نکتہ مل گیا کہ حیدر کرار کے کام کو غلط کہے بغیر ان کو چارہ نہ رہا، اس کو مودودی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں:

"حضرت علی رضؓ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک، ایک خلیفۂ راشد کے شایان شان تھا، البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جسکی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ جنگ

لہ تفہیمات ص۲۹۴ ، ؎ خلافت و ملوکیت ص۱۰۱ زیر عنوان دوسرا مرحلہ۔

عہ مودودی صاحب نے صحابہ کرام کی اس انداز گفتگو کو نقل کرنے کے بعد حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ تمام مثالیں علامہ ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم سے ماخوذ ہیں، دراصل مودودی صاحب نے اس میں کذب کا ترجمہ "جھوٹ" سے کر دیا ہے حالانکہ اس کے معنی خلاف ظاہر و دیگر چند معانی بھی آتے ہیں (ملاحظہ ہو مجمع بحار الانوار) ... اس لئے ترجمہ میں ادب ملحوظ رہنا چاہیئے تھا۔
ج ۴ ص ۴۲۵

جمل کے بعد انھوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا"

آگے لکھتے ہیں :

"اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے، حتیٰ کہ انھوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے، درانحالیکہ قتل عثمان رضؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علی رضؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے، جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں" [1]

مودودی صاحب خطاء اجتہادی کے بھی قائل نہیں ہیں، اس لئے ان کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ملا۔

حضرت معاویہؓ پر تنقید کی بوچھار

حضرت معاویہ کے بارے میں مودودی صاحب کی تحریریں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ مودودی صاحب نے اس موقعہ پر کسی شیعہ کا قلم چھین لیا ہو، حضرت معاویہ رضؓ پر الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود، اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کی بوچھار کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں، اور حضرت علی رضؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے گالیاں سنتے تھے، کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے

---

[1] خلافت وملوکیت صـ ۱۳۷۔

خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا" [1]

مودودی صاحب نے کس قدر بھیانک الزامات حضرت معاویہ رض پر لگائے ہیں، اور اپنے ترجمہ کی روشنی میں فتویٰ جڑ دیا کہ یہ فعل شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا ـــــ مودودی صاحب کے شاید اس موقعہ پر دھندلکا چشمہ لگا ہوا تھا، چوری اور سینہ زوری کے طور پر رطب ویابس حوالے بھی دیئے ہیں۔ جن کی اصل عبارتوں کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہ گالیوں کا ترجمہ لفظ "سبّ" کا کیا گیا ہے، مگر یہ ترجمہ مودودی صاحب کی ذھنی کجی کا غماز ہے۔ لفظ "سبّ" کے معنی برائی کے علاوہ، سخت سست، کہنے کے بھی آتے ہیں۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے باوجود د صاحب پہلے ہی آگے پہنچ گئے ـــــ راوی کہتے ہیں:

فسبّھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم شریف) [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سخت سست کہا۔

کہئے کسی مسلمان کو جرأت ہے کہ وہ یہاں گالیوں کی بوچھار ترجمہ کر سکے۔

ہر گز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ

لاحول ولاقوۃ الاباللہ

حضرت معاویہ رض پر مودودی صاحب نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ انھوں نے قرآن وسنہ کی صریح خلاف ورزی کی ہے (نعوذ باللہ)

اس سلسلے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ رض نے کتاب اللہ اور سنتِ

---

[1] خلافت وملوکیت ص۱۶۳

[2] بحوالہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور مودودی صاحب کے الزامات ص۴۰

رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب وسنت کی رو سے پورے غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیئے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کئے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو، لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی، سونا ان کے لئے الگ نکال دیا جائے، پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے"[1]

مگر معلوم ہونا چاہیئے کہ مودودی صاحب نے اس میں خیانت سے کام لیا ہے، اس سلسلے میں جو حوالے موصوف نے پیش کئے ہیں ان میں ایک البدایۃ والنہایۃ ص ۲۹ ج ۸ کا بھی حوالہ ہے اس میں صاف الفاظ میں موجود ہے کہ " یجمع کل من ھٰذہ الغنیمۃ لبیت المال" (اس مال غنیمت کا سارا سونا چاندی بیت المال کے لیے جمع کیا جائے)[2]

اس عبارت میں صاف الفاظ میں ہے کہ سونا چاندی بیت المال کے لئے جمع کرا دیا نہ کہ اپنے لئے۔ مودودی صاحب ——— حضرت معاویہؓ پر بے بنیاد اور غلط الزام لگا رہے ہیں ——— یہ کتنا بڑا ظلم اور بہتان ہے، حضرت معاویہؓ کے بارے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم یوں دعا دے رہے ہیں:

اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ[3] اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دیجئے۔

حیرت تو اس پر ہے کہ خود مودودی صاحب صحابہ کرام رضؓ کو برا کہنے والے کا ایمان مشتبہ مانتے ہیں ——— وہ لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام کو برا کہنے والا میرے نزدیک فاسق ہی نہیں بلکہ اس کا ایمان

---

[1] خلافت وملوکیت ص ۱۶۲۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، حضرت معاویہ رضؓ اور تاریخی حقائق ص ۱۶۴۔

[3] ترمذی جلد ثانی ص ۲۲۴۔

مشتبہ ہے۔ من ابغضھم فببغضی ابغضھم. (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی بنا پر ان سے بغض رکھا"۔ [1]

خود مودودی صاحب کی تحریروں کو دیکھ کر اور موصوف کے اس بیان کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

مودودی صاحب نے تنقید کا سہارا لے کر صحابہؓ کی خوب تنقیص کی ہے اور عیب چینیوں کی تھکا دینے والی فہرست تیار کر دی ہے۔ اگرچہ مودودی صاحب اس سلسلے میں صفائی پیش کرتے ہوئے ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں :

"تنقید کے معنی عیب چینی ایک جاہل آدمی تو سمجھ سکتا ہے، مگر کسی صاحب علم آدمی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس لفظ کا یہ مفہوم سمجھے گا، تنقید کے معنی جانچنے اور پرکھنے کے ہیں اور خود دستور کی مذکورہ بالا عبارت میں اس معنی کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد عیب چینی مراد لینے کی گنجائش صرف ایک فتنہ پرداز آدمی اس لفظ سے نکال سکتا ہے"۔ [2]

مگر آپنے اوپر کے تراشوں سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ دعویٰ محض ڈھول کا پول ہے، ورنہ صریح احکام کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ کے الزامات تنقید میں آتے ہیں یا عیب چینی میں ؟ عقل و خرد کی روشنی میں خود فیصلہ فرمائیں۔

اس انداز کی عیب گیری کو دیکھ کر مودودی صاحب کے اپنے معتقدین بھی چیخ اٹھے تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ کتاب خلافت و ملوکیت شائع نہیں ہوئی تھی مودودی صاحب کا یہ مضمون ان کے رسالہ ترجمان القرآن میں بعنوان "خلافت سے

---

[1] ترجمان القرآن اگست ۱۹۶۱ء بحوالہ صحابہ عظام مودودی صاحب کی نظر میں ص۱۳۔

[2] رسائل و مسائل جلد ۲، ص۴۱۔

ملوکیت تک" قسط وار شائع ہو رہا تھا، چنانچہ مفتی محمد یوسف صاحب اکوڑہ خٹک) جو مودودی صاحب کی طرف سے وکیل صفائی کی حیثیت رکھتے ہیں، ان سے بھی نہ رہا گیا وہ ایک تفصیلی خط مودودی صاحب کو لکھتے ہیں ——— اس کے اخیر میں تحریر ہے کہ،

"اس مضمون میں ان (حضرت معاویہؓ) کے غلط کام کو غلط ہی صرف نہیں کہا گیا ہے بلکہ ان کے عیوب و نقائص بھی ظاہر کئے گئے ہیں اور یہ ان پر ایک ایسی تنقید ہے جس کے معنی تنقیص اور عیب جوئی کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے اس کو بھی اگر عیب جوئی نہ کہا جائے تو نہ معلوم پھر کس قسم کی تنقید کو تنقیص اور عیب جوئی کہا جائے گا" [1]

خلاصہ یہ ہے کہ مودودی صاحب نے خاص کر صحابہ کرام رضؓ حضرت معاویہ رضؓ کی خوب تنقیص کی ہر اور بے بنیاد برائیاں بیان کی ہیں۔ جب کہ حضرت معاویہ کے بے شمار فضائل ہیں اور ان کی سب سے بڑی فضیلت صحابی رسول م ہونا ہے۔

اخیر میں صحابہ کرام رضؓ کے سلسلہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحؒ کا ارشاد گرامی پیش ہے،

"کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اویس قرنی اپنی تمام تر بلندی شان کے باوجود چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے مشرف نہ ہو سکے، اس لئے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہ پہنچ سکے۔

کسی شخص نے عبداللہ بن مبارک سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز! جواب میں فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی عمر بن عبدالعزیز سے کئی گنا بہتر ہے" [2]

خلاصہ کلام صحابہ کرام رضؓ معیار حق ہیں، تنقید سے بالاتر ہیں بلکہ انبیاء کرام کے بعد صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ایسی ہے جن کی تعلیم و تربیت بھی

---

[1] ملاحظہ ہو، ماہنامہ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۵ء ص۳۵ بحوالہ علمی محاسبہ ص۱۵۱۔

[2] ترجمہ از مکتوبات امام ربانی نمبر (۲۰۷) ص۳۲۶ مطبوعہ استنبول۔

وحی الہٰی کی نگرانی میں ہوئی ہے۔

اور آپ نے سابقہ مندرجات سے بخوبی سمجھ لیا کہ صحابہ کرام رض کو معیار حق نہ ماننے، ان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھنے، ان کی لغزشوں کو خطاء اجتہادی قرار نہ دینے، ان کی عدالت کو عام نہ ماننے کے نتائج کس قدر بھیانک ہیں۔

دین کے ستون صحابہ کرام رض سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، جب یہ مجروح ہو گئے تو سارا دین غیر معتبر ہو جائے گا (العیاذ باللہ) تحقیق کے نام پر اس طرح کے جو کام ہو رہے ہیں اور اہل حق سے ہٹ کر جو اسلام کے نام پر نئے اصول بنائے جا رہے ہیں، یہ دین کی خدمت نہیں ہے اس سے تو اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں اور رفض و تشیع کو بھی فروغ مل رہا ہے، ذرا بیدار ہو کر سوچیں۔ اے اللہ ہم کو صراط مستقیم پر قائم رکھ اور حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و احباب سے سچی محبت نصیب فرما اور ان سب کے ساتھ حشر فرما۔

آمین

یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین



بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

پانچواں مُحاضرہ علمیہ

بر موضوع



پیش کردہ

جناب مولانا عبدالخالق سنبھلی صاحب

اُستاذ فقہ و ادب دارالعلوم دیوبند

فہرستِ مضامین



الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین
وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اما بعد!

مجھے اس پانچویں محاضرہ میں تقلید کے سلسلے میں مودودی صاحب کا مسلک اور ان کے تفردات کو واشگاف کرنا ہے ۔

ارشاد ربانی ہے :

" ولاتتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله " (آیت ۲۶ ص)

ترجمہ: نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ وہ اللہ کے راستہ سے آپ کو بھٹکادے گی ۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک اور صحابہ کرام رض وتابعین رح کا دور خیر القرون کہلاتا ہے کہ جس میں خیر غالب تھی اور دین میں نفسانی خواہشات کا دخل نہ تھا، دینی احکام پر نیک نیتی سے لوگ عامل تھے، خواہ وہ نفس کے مخالف ہوں یا موافق ۔

مگر جوں جوں خیر القرون سے دوری ہوتی چلی گئی دینی جذبہ کم ہوا، شر کے جذبات ابھرے اور بعد کی صدیوں میں لوگ احکام اسلام میں بھی نفسانی خواہشات کو ترجیح دینے لگے، قرآن وحدیث سے جو چیزیں دل کو بھائیں ان کو اپنا لیا اور باقی کو چھوڑ دیا ۔

بعض نے تو یہ دعویٰ کیا کہ دین سیکھنے کے لئے قرآن کا مطالعہ کافی ہے حالانکہ قرآن کا مطالعہ کافی ہوتا تو خداتعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ :

" لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة "

جب کہ صحابہ کرام بھی اہل زبان تھے اور ان پاکبازوں میں بڑے بڑے ذکی اور ذہین بھی تھے۔

بعض لوگ آئے انھوں نے قرآن وسنت سے دین سمجھنے کا دعویٰ کیا اور ماضی کے اشخاص اور اسلاف کو پس پشت ڈال دیا، گویا یہ جرأت مندانہ بلکہ گستاخانہ اقدام کیا کہ...... ......۔ اسلاف عظام اور ائمہ کرام کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کو ہم زیادہ سمجھتے ہیں لہٰذا ان کی بات نہ مانی جائے، حالانکہ دین فہمی کے سلسلے میں اسلاف کرام کی عقل وفہم کے مقابلہ میں کسی شخص کا اپنی عقل وفہم پر بھروسہ کرنا یہ کم عقلی اور کم فہمی ہے .... جس کا نتیجہ گمراہی ہوتا ہے۔

مودودی صاحب اور تقلید

یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ مودودی صاحب جدید وقدیم دونوں کوچوں میں گھومے پھرے ہیں اور وہ بیچ کی راس کے آدمی ہیں۔

نیز مودودی صاحب کی زبان قلم سے یہ بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ وہ نہ حنفیت کے پابند ہیں اور شافعیت کے، اور نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتے ہیں۔

مزید معلوم ہونا چاہئے کہ مودودی صاحب تقلید کو ناجائز اور گناہ سمجھتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے مودودی صاحب سے سوال کیا کہ:

"ہمارے اس زمانے میں مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پابندی پہلے سے زیادہ لازمی ہوگئی ہے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا کوئی صاحب علم وفضل چار معروف مذاہب فقہ کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنے یا اجتہاد کرنے کا حق دار ہے یا نہیں ہے.... اگر نہیں تو کس دلیل سے؟ اور اگر جائز ہے تو پھر طحطاوی میں ایک بڑے صاحب کمال فقیہ کے اس قول کا کیا مطلب ہے، المنتقل من مذهب الى مذهب باجتهاد وبرهان اثم يستوجب التعزير"۔

مودودی صاحب اس سوال کا تفصیلی جواب دیتے ہیں، جس میں صاحب علم آدمی کے لئے تقلید کو گناہ سے بھی شدید تر چیز قرار دیا ہے اور بڑے سے بڑے عالم کی بات اس سلسلے میں ماننے کو تیار نہیں ہیں، بلکہ مودودی صاحب تلفیق بین المذاہب کی بھی اجازت دے رہے ہیں جس کو ہم آگے واضح کریں گے۔ یہاں مودودی صاحب کا جواب ملاحظہ ہو۔

موصوف لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے کچھ شدید تر چیز ہے، مگر یہ یاد رہے کہ اپنی تحقیق کی بنا پر کسی ایک اسکول کے طریقے اور اصول کا اتباع کرنا اور چیز ہے اور تقلید کی قسم کھا بیٹھنا بالکل دوسری چیز اور یہی آخری چیز ہے جسے میں صحیح نہیں سمجھتا، رہا طحطاوی کا وہ فتویٰ جو آپ نے نقل کیا ہے تو وہ خواہ کتنے ہی بڑے عالم کا لکھا ہوا ہو، میں اس کو قابل تسلیم نہیں سمجھتا، میرے نزدیک ایک مذہب فقہی سے دوسرے مذہب فقہی میں انتقال صرف اس صورت میں گناہ ہے جب کہ یہ فعل خواہش نفس کی بنا پر ہو، نہ کہ تحقیق کی بنا پر" [1]

اس میں غور طلب یہ ہے کہ صاحب علم سے کون مراد ہے، آیا مجتہد مراد ہے یا ہر عربی داں۔ کہ جو قرآن پاک کا ترجمہ وغیرہ سمجھ لے۔

تقلید نہ کرنا اور اجتہاد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن میں شرائط اجتہاد موجود ہوں، مثلاً قرآن وحدیث کے متعلق تمام ہی علوم وفنون میں ماہر ہوں، عربی زبان پر مکمل عبور ہو، صحابہؓ اور تابعین رحمہ کے اقوال وآثار سے بالکلیہ واقفیت ہو، ہر شخص کو یہ اجازت نہ ہوگی، آج کل کچھ پڑھے لکھے لوگوں نے یہ سن لیا کہ اسلام میں اجتہاد بھی ایک اصول ہے اور احکام میں رائے زنی کرنے لگے جن میں شرائط اجتہاد تو کیا نفس علم دین سے بھی واقفیت نہیں ہوتی۔ مودودی صاحب سے سوال کرنے والا بھی غالباً ایسے ہی لوگوں میں سے ہے جو ماہر نہیں ہے۔ مودودی صاحب اس سے تقلید کو ناجائز کہہ رہے ہیں، گویا وہ اپنی رائے سے جس کا چاہے قول اختیار کرلے

---

[1] سوال وجواب کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، رسائل ومسائل حصہ اوّل صفحہ ۱۵۹۔

اور اجتہاد کرلے .... غالباً مودودی صاحب کو اپنا لکھا ہوا یاد نہیں رہا ؛

جون ۱۹۳۳ء کے اپنے ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں لکھتے ہیں ؛

"دنیا کا کوئی بھی علم وفن آپ کو ایسا نہ ملے گا جس میں مبتدیوں اور اناڑیوں کو ریسرچ اور ماہرانہ اظہار رائے اور مجتہدانہ کلام کا حق دیا جاتا ہو، یہ حق انسان کو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ فن کے مبادی اور اصول پر پوری طرح حاوی ہو چکا ہو، اور جتنا ذخیرۂ معلومات اس فن کے متعلق موجود ہو، وہ سب اس کی نظر میں ہو، باقی رہا وہ شخص جو ابھی اس مرتبہ تک نہیں پہنچا ہے تو اس کے لئے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ ائمہ فن کی تحقیقات اور ان کی آراء کا اتباع کرے۔ تمام دنیوی علوم کی طرح مذہبی علوم میں بھی یہی طریقہ بہتر اور صحیح تر ہے اس کو چھوڑ کر جو لوگ اجتہاد بلا علم کا علَم بلند کرتے ہیں، وہ دنیا اور دین دونوں میں اپنے لئے رسوائی کا سامان کرتے ہیں" ؎۱

اب ہم پہلے نفس تقلید پر کلام کرتے ہیں ؛

تقلید تقلید کے سلسلہ میں علم وتحقیق کے خزانے موجود ہیں، اپنے مقام پر تقلید کے ثبوت کے لئے قدیم وجدید مستند حوالوں کی کمی نہیں، محققین علماء نے عدم تقلید کے عقلاً ونقلاً بہت کچھ دلائل جمع کردیئے ہیں۔ اس لئے یہاں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ مختصر طور پر ثبوت تقلید پر چند دلائل پیش کئے جائیں گے — پہلے تقلید کا مطلب سمجھ لیں۔

تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص براہ راست قرآن وسنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، تو وہ جس مجتہد کو قرآن وسنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے اس کی فہم اور بصیرت اور اس کے تفقہ پر اعتماد کرکے اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے۔

تقلید کی دو صورتیں ہیں

(۱) تقلید مطلق (تقلید عام)　　(۲) تقلید شخصی۔

؎۱ تفہیمات جلد ۱ ص ۲۸۶ زیر عنوان، حدیث اور قرآن۔

تقلید مطلق یہ ہے کہ تقلید کے لئے کسی خاص امام ومجتہد کو معین نہ کیا جائے۔ بلکہ اگر ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک اختیار کیا گیا ہے تو دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے اس کو تقلید عام اور تقلید غیر شخصی بھی کہتے ہیں۔ اس کے برخلاف تقلید شخصی یہ ہے کہ کسی ایک مجتہد عالم کو اختیار کیا جائے۔ اور ہر ایک مسئلہ میں اسی کا قول اختیار کیا جائے۔

تقلید کا ثبوت

نفس تقلید کا جواز بلکہ وجوب قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

① فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون ؛ — اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

② یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم ؛ — اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی، اور اولوالامر کی۔

اولوالامر کی تفسیر میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ اس سے مراد مسلمان حکام ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا، اس سے مراد فقہاء ہیں۔ یہ دوسری تفسیر حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابن عباس، تابعین، اور دیگر دوسرے مفسرین سے منقول ہے۔ اور امام رازی رح نے اسی تفسیر کو متعدد دلائل کے ذریعہ ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے؛

"اس آیت میں لفظ اولوالامر سے علماء مراد لینا اولیٰ ہے" [1]

اور امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۳۳۴۔

مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ حکام کی اطاعت سیاسی معاملات میں کی جائے اور علماء و فقہاء کی مسائل شریعت کے باب میں[۱]

۴ واتبع سبیل من اناب الیّ۔ — اس شخص کے راستے کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہیں۔

چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱ عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر[۲]۔ — حضرت حذیفہ رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں زندہ رہوں گا، لہٰذا میرے بعد ان دو شخصوں یعنی ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی اقتداء کرنا۔

۲ فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین الخ — تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے مطلق تقلید کا ثبوت ملتا ہے جن میں تقلید کی دونوں صورتیں داخل ہیں۔ عہد صحابہ و تابعین میں تقلید کی ان صورتوں پر عمل درآمد رہا ہے۔ اس عہد مبارک میں جو حضرات فقیہ نہ تھے وہ فقہاء صحابہ و تابعین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں طریقے رائج تھے۔

تقلید شخصی کا وجوب

خیر القرون میں لوگوں کے اندر خدا ترسی اور تدین غالب تھا، جوں جوں حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے دوری ہوتی گئی تو خوفِ خدا اور احکام شریعت کی عظمت دلوں سے کم ہوتی گئی۔ اور اغراض پرستی لوگوں

---

[۱] احکام القرآن للجصاص ص۲۵۶ ج۲ باب فی طاعۃ اولی الامر، بحوالہ تقلید کی شرعی حیثیت ص۱۷۔

[۲] مشکوٰۃ شریف ص۵۶۰ بروایت ترمذی۔

پر غالب آنے لگی تو امت کے نباض علماء نے دکھتی رگ کو پکڑ کر تقلید کو "تقلید شخصی" میں منحصر کر دیا اور بتدریج اسی طرف علماء کا میلان ہونے لگا، اور ہوتے ہوتے تقلید شخصی کے وجوب پر امت کا اجماع ہو گیا، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو احکام شریعت کھلونا بن جاتے اور ہر ایک اپنے مطلب اور خواہش کے موافق عمل کرتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،

وبعد المائتین ظهر فیهم التمذهب للمجتهدین اعیانهم وقل من کان لایعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هو الواجب فی ذالك الزمان [1]

یعنی دوسری صدی ہجری کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہو گیا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانہ میں یہی ضروری تھا۔

علامہ ابن تیمیہؒ بھی تقلید شخصی کو ضروری تحریر فرماتے ہیں:

فی وقت یقلدون من یفسد النکاح فی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهوی ومثل هذا لایجوز [2]

یعنی یہ لوگ کبھی اُس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور کبھی اس امام کی جو اسے درست قرار دیتا ہے اپنی غرض اور خواہش کے مطابق، اور اس طرح عمل کرنا ناجائز ہے۔

شیخ عبدالوہاب نجدی بھی مقلد تھے وہ فرماتے ہیں کہ ہم بحمد للہ حنبلی المذہب ہیں موصوف کی تحریر درج ذیل ہے:

فنحن وللّٰه الحمد متبعون لامبتدعون علی مذهب الامام احمد بن حنبل، [3]

ہم لوگ الحمد للہ ائمہ سلف کے متبع ہیں کوئی نیا طریقہ اور بدعت ایجاد کرنے والے نہیں ہیں اور ہم امام احمد بن حنبل رح کے مذہب پر ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح تقلید شخصی کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے

---

[1] انصاف ص۴۴ بحوالہ فتاوٰی رحیمیہ ص۱۸۹/ج۲، [2] فتاوٰی ابن تیمیہ ص۲۴۰/ج۲،

[3] محمد بن عبدالوہاب للعلامہ احمد بن عبدالغفور عطّار، طبع بیروت ص۱۷۴-۱۷۵۔ بحوالہ فتاوٰی رحیمیہ جلد۳ ص۱۹۱۔

فرماتے ہیں :

"ایسے وقت میں اگر تقلید شخصی نہ ہو تو یہ ہو گا کہ ہر مذہب میں سے جو صورت اپنے مطلب کی پاویں گے اختیار کریں گے۔ مثلاً اگر وضو کرنے کے بعد اس کے خون نکل آیا تو اب امام ابوحنیفہ رہ کے مذہب پر تو وضو ٹوٹ گیا، اور امام شافعی رہ کے مذہب پر نہیں ٹوٹا۔ سو یہاں تو یہ شخص شافعی مذہب اختیار کرلے گا۔ اور پھر اس نے بیوی کو بھی ہاتھ لگایا، تو اب شافعی رہ کے مذہب پر وضو ٹوٹ گیا اور ابوحنیفہ رہ کے مذہب پر نہیں ٹوٹا تو یہاں حنفیہ کا مذہب لے لے گا، حالانکہ اس صورت میں کسی امام کے نزدیک وضو نہیں رہا۔ امام ابوحنیفہ رہ کے نزدیک تو خون نکلنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کے چھونے کی وجہ سے، مگر اس شخص کو ذرا پرواہ نہ ہوگی، ہر امام کی رائے کو وہ اسی میں قبول کرے گا جو اس کے مطلب کے موافق ہے۔ اور جو اسکے مطلب کے خلاف ہے اس کو نہ مانے گا، سو دین تو رہے گا نہیں۔ غرض پرستی رہ جائے گی۔ پس یہ فرق ہے ہم میں اور سلف میں۔ ان کو تقلید شخصی کی ضرورت نہ تھی، کیوں کہ ان میں تدین غالب تھا، اور سہولت اور غرض کے طالب نہ تھے بخلاف ہمارے کہ ہم میں غرض پرستی غالب ہے اور ہم سہولت پسند اور غرض کے بندے ہیں اس لئے ہم کو اس کی ضرورت ہے کہ کسی خاص شخص کی تقلید کریں" [1]

ائمہ حدیث اور تقلید شخصی ائمہ حدیث نے بھی ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام مجتہد کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا ہے۔ اور وہ بھی مقلد تھے۔

امام بخاریؒ: (محمد بن اسماعیل البخاری متوفیٰ ۲۵۶ھ) کے شافعی المذہب ہونے کو بکثرت علماء محققین نے بیان کیا ہے۔

امام مسلمؒ: (ابوالحسین مسلم القشیری متوفیٰ ۲۶۱ھ) بقول صاحب کشف الظنون وحضرت شاہ ولی اللہؒ شافعی المذہب ہیں۔

---

[1] اشرف الجواب حصہ ۲ صـ ۱۴۹۔

امام ابوداؤد : (سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ) حنبلی المذہب ہیں بعض انکو شافعی کہتے ہیں۔

امام ترمذی : (ابو عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۶۹ھ) کے متعلق حضرت شاہ صاحب "انصاف" میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حنفی المذہب ہیں۔ اور امام اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں۔ اور بعض اہل تحقیق نے ان کو شافعی المذہب کہا ہے۔

ابن ماجہ : (متوفی ۲۷۳ھ) دارمی (متوفی ۲۵۵ھ) ہر دو حضرات حنبلی المذہب ہیں اور اسحاق بن راہویہ کی طرف منتسب ہیں، جیسا کہ "انصاف" میں تحریر ہے۔

امام عبدالرحمٰن نسائیؒ ، (متوفی ۳۰۳ھ) صاحب سنن نسائی شافعی المذہب ہیں جیسا کہ ان کی کتاب "منسک" اس پر دلالت کرتی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رہ نے بستان المحدثین میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

الغرض امام طحاوی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام جلال الدین سیوطی وغیرہم جیسے ستون علم بھی تقلید کرتے نظر آرہے ہیں [۱] اور یہ حضرات فن حدیث کے امام تھے اور علم حدیث میں ان کا ڈنکا بجتا ہے۔ پھر بھی شخص معین اور مذہب معین کی تقلید کر رہے ہیں۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

عدمِ تقلید گمراہی امت کا سواد اعظم اور ایک بڑی جماعت تقلید شخصی پر متفق ہو چکی ہے تو یہ تقلید لازمی اور ضروری ہو گئی اور عدم تقلید عظیم فتنہ کا باعث بلکہ گمراہی ہے۔ راستی اسی میں ہے کہ مسلمان سواد اعظم کے ساتھ ساتھ چلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے ،

اتبعوا السواد الاعظم۔ [۲]　　　بڑے جتھے کی اتباع کرو۔

---

[۱] مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے تقلید ائمہ از مولانا محمد اسماعیل سنبھلی رہ ص ۵۴ اور انوار الباری جلد ۲ از افادات علامہ انور شاہ کشمیری رہ مرتب مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب۔

[۲] مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ ،

دوسری حدیث میں ہے :

علیکم بالجماعة [1] تم پر ضروری ہے کہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہو

ایک اور حدیث میں ہے :

ان اللّٰه لایجمع امتی علی ضلالة و ید اللّٰه علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار [2] اللہ تعالیٰ میری امت کو ضلالت اور گمراہی پر متفق نہیں کرے گا (جس مسئلہ میں مسلمانوں میں اختلاف ہوجائے تو جس طرف علماء و صلحاء کی اکثریت ہو ان کے ساتھ وابستہ ہوجاؤ اس لئے کہ) جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے یعنی اسکی مدد شامل حال ہوتی ہے اور جو ان سے الگ رہا (اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی) ۔ وہ جہنم میں تنہا ڈالا جائے گا ۔

مذہب کی پابندی کی وجوہ بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح فرماتے ہیں :

وثانیًا قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاھب الحقة الا ھذہ الاربعة کان اتباعها اتباعًا للسواد الاعظم [3] اور مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سواد اعظم یعنی بڑے معظم جتھے کی پیروی کرو اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چاروں مذہب کے باقی نہیں رہے تو ان کی پیروی کرنا بڑے گروہ کی پیروی کرنا ہے اور ان سے باہر نکلنا بڑی معظم جماعت سے باہر نکلنا ہے (جس میں رسول ﷺ کی ہدایت اور تاکیدی ارشاد کی خلاف ورزی لازم آتی ہے) ۔

تنبیہ | معلوم ہو کہ کسی مجتہد کی تقلید شارع یا کسی قانون ساز کی حیثیت سے نہیں کی جاتی بلکہ اس کی بیان کردہ تشریحات پر اعتماد کر کے قرآن و سنت کی پیروی کی جاتی ہے ۔ لہٰذ

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ ۔

[2] " " ص ۳۰ ۔

[3] عقد الجید مع سلک مروارید ص ۳۳ بحوالہ فتاوی رحیمیہ جلد ۱ ص ۱۳۳ ۔

اس تقلید کو کورانہ تقلید نہیں کہہ سکتے اور قرآن میں ما وجدنا علیہ آباءنا جیسی آیات کے تحت جس تقلید پر نکیر کی گئی ہے وہ عقائد اور ضروریات دین کے اندر تقلید ہوتی تھی کہ ہم نے اپنے آباؤاجداد کو انھیں عقائد پر پایا ہے. وہ لوگ حق کو قبول کرنے کے بجائے صرف یہی دلیل پیش کرتے تھے. حالانکہ عقائد اجتہاد اور تقلید کا محل نہیں ہے وہ تو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں. اس لئے ان جیسی آیات کو لے کر اس تقلید شخصی کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

مودودی نظریہ اور علماء حق

ان مذکورہ تفصیلات و تشریحات کی روشنی میں یہ بات منقح ہو کر سامنے آگئی کہ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ میرے نزدیک صاحب علم[عہ] آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے یہ کس قدر گمراہانہ نظریہ ہے. اور سواد اعظم سے فرار ہے اور اسلاف سے بے اعتمادی کا اعلان ہے. بلکہ ایک جگہ تو صراحۃً مودودی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ میں یہ نہیں دیکھتا کہ فلاں فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں بلکہ اس بے اعتمادی پر مودودی صاحب نے دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ لگایا ہے اور ان کو بھی توجہ دلائی ہے ؛ وہ لکھتے ہیں :

> "میں نے دین کو ماضی یا حال کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے. یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں. بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے، اور رسول نے کیا کیا ؟ اسی ذریعہ معلومات کی طرف میں آپ لوگوں کو بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں" [لہ]

بے اعتمادی کا ایک نمونہ شروع میں ذکر کردہ مودودی صاحب کی تحریر کے اندر بھی موجود ہے.

لہ دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات ص۳۲ ، عہ اس صاحب علم سے مودودی صاحب کیا مراد ہے ؟ اگر محدثین عظام اس میں شامل ہیں اور واقعۃً شامل ہیں تو بقول مودودی صاحب تقلید کر کے انھوں نے بھی گناہ سے شدید تر کام کیا ۔ (۱۵ اصفاہ)

انہوں نے لکھا ہے ؛

"ثنا محمد باوی کا وہ فتوٰی جو آپ نے نقل کیا ہے تو وہ خواہ کتنے ہی بڑے عالم کا لکھا ہوا ہو، میں اس کو قابل تسلیم نہیں سمجھتا "

مودودی صاحب زور بیانی میں اپنی دوسری تحریروں کو فراموش کر دیتے ہیں دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں ؛

"علماء کی عزت بلا شبہ مسلمانوں پر واجب ہے اگر ان کی عزت نہ ہو، ان کا اعتماد نہ ہو تو مسلمان اپنے دین کا علم کس سے حاصل کریں گے ۔ احکام دین کس سے پوچھیں گے ؟ عبادات اور معاملات میں کس کا اتباع کریں گے"، [1]

یہ تضاد نہیں تو اور کیا ہے ۔ ایک طرف علما کی اتباع کو کہہ رہے ہیں دوسری طرف بڑے سے بڑے عالم کا فتوٰی ناقابل تسلیم سمجھتے ہیں ۔

بہر حال تقلید کو ناجائز کہنا کھلی گمراہی ہے اور عدم تقلید خواہشات نفسانی کا اتباع ہے اسی کے قریب قریب تلفیق بین المذاہب ہے ۔ اس پر بھی کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے

تَلفِیق بَیْنَ المذَاہِبْ

تلفیق سے یہاں مراد مذاہب اربعہ سے بیک وقت اخذ و استفادہ ہے ۔
حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب لکھتے ہیں ؛

"تلفیق حرام ہے اور تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ ایک قول ان کا لے لیا اور ایک قول دوسرے کا، جیسے کہ کوئی امام شافعی رہ کا قول اس میں اختیار کرے کہ خون سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور حنفیہ کا قول اس میں لے لے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے اور اس نے مس ذکر بھی کیا اور خون بھی نکلا، تو کسی کے نزدیک بھی وضو صحیح نہیں ہوگا لہٰذا

---

[1] ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۱۲ عدد ۵، جولائی ۳۸ء صفحہ ۳۲۸ ۔

تلفیق سے بچا ہوگا" [1]

امام ابن تیمیہ نے نجی اور ذاتی مصالح وخواہشات کو سامنے رکھ کر تلفیق کو اجماع امت کی رو سے حرام لکھا ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

"حکم ملفق کے اجماعاً باطل ہونے کی تصریح ابن ہمام آمدی، ابن الحاجب وغیرہ نے کی ہے انتہائی مجبوری اور ضرورت شدیدہ میں تلفیق جائز ہے مگر اس کے لئے بہت سی شرائط ہیں" [2]

بہرحال، عام حالات میں دوسرے مجتہد کے مسلک کو اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں، البتہ خاص حالات میں جب کہ ضرورتِ شدیدہ داعی ہوجائے تو مسلک غیر پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا جائز ہے [3]

حال ہی میں اس تلفیق کے سلسلہ میں ۱۷، ۱۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ ۲۴، ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۹۴ء ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام چوتھا فقہی اجتماع بمقام شیخ الہند ہال دیوبند منعقد ہوا۔ جس کا عنوان تھا "دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کے حدود وشرائط" اجتماع میں مفتیان کرام دارالعلوم دیوبند کے ساتھ مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مدرسہ شاہی مرادآباد اور ملک کے دیگر بڑے اداروں کے سو سے متجاوز مفتیان کرام وعلماء عظام نے شرکت کی اور قیمتی مقالے پیش کئے۔ اور ایک رائے ہوکر متفقہ فیصلہ کیا گیا جو بڑی اہمیت کا حامل ہے [4]

---

[1] تقریر بخاری شریف ص۴۶ از شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ، مرتب مولانا محمد شاہد صاحب۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے الحیلۃ الناجزہ ص۲۲ از حکیم الامت تھانوی رح اور مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام میں بھی یہ تفصیل دیکھی جا سکتی ہے، از ص۷۔

[3] فتاویٰ شامی میں کئی مقام پر یہ بحث ہے، ملاحظہ ہو ص۵۱۴ ج۱، ص۲۰۰ ج۳، ص۳۸۲ ج۴ مطبوعہ نعمانیہ۔

[4] افادہ کی خاطر اس فیصلہ کا متن درج ذیل ہے۔

متفقہ فیصلہ: جمہور امت کا اتفاق ہے کہ آج کل تمام مسلمانوں پر چاروں مدوّن (بقیہ اگلے صفحہ)

تلفیق اور مودودی صاحب

گذشتہ تحریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ فقہاء عظام اور علماء کرام تلفیق کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور

(بقیہ حاشیہ) مذاہب میں سے کسی ایک معین مذہب کی پیروی واجب ہے اور امت کی شیرازہ بندی کیلئے یہ امر ضروری بھی ہے۔

آج کل تجدد پسند طبقہ کی جانب سے یہ نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب تمام فقہائے مجتہدین کے مذاہب اپنی اپنی جگہ درست ہیں تو جس قول میں سہولت ہو اس کو اختیار کر لیا جائے۔ کسی مذہب معین کا التزام نہ کیا جائے اسی طرح معمولی عذر کی وجہ سے دوسرے مسلک کے امام کے قول کو اختیار کرنے کا نظریہ پایا جاتا ہے یہ دونوں نہایت خطرناک رجحانات ہیں جو اتباع ہوٰی اور خودرائی کی بنیاد پر پیدا ہوئے ہیں اور انسانوں کو خدا کی بندگی اور احکام شریعت کی اطاعت سے دور کرنے اور دین کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کے مترادف ہیں، اتباع ہوٰی اور خودرائی کے ان رجحانات کو خدانخواستہ تقویت ملی تو امت مسلمہ سخت انتشار سے دوچار ہو جائے گی۔

حسب تصریح فقہاء قول ضعیف پر عمل یا دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنا مخصوص حالات ہی میں درست ہے اور اس پر فتویٰ کے لئے اعلیٰ فقہی صلاحیت کی ضرورت ہے جو آج کل انفرادی طور پر مفقود ہے۔ اس لئے ادارۃ المباحث الفقہیہ (جمعیۃ علماء ہند) کا یہ چوتھا فقہی اجتماع اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کرتا ہے۔

۱: عام حالات میں اپنے معین مذہب سے خروج کرنا اور فقہی مذاہب میں پائی جانے والی سہولتوں کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ بدرجہ مجبوری خاص حالات میں مندرجہ ذیل ضوابط و شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ان سہولتوں سے استفادے کی مشروط اجازت دی جا سکتی ہے۔

الف) خاص حالات میں جو قول اختیار کیا جاوے وہ مذاہب اربعہ ہی کے دائرے میں ہو، کیوں کہ دیگر مذاہب باقاعدہ مدوّن نہیں ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عام حالات میں کسی کو بھی اس کی اجازت نہیں دیتے مگر مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ :

"میرے نزدیک ایک مذہب فقہی سے دوسرے مذہب فقہی میں انتقال صرف اس صورت میں گناہ ہے جب کہ یہ فعل خواہش نفس کی بنا پر ہو، نہ کہ تحقیق کی بنا پر" [1]

مودودی صاحب نے تلفیق کی اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ خواہش نفس کی بنا پر نہ ہو مگر اس کا معیار کیا ہوگا کس کے دل کو ٹٹولیں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ تحقیق کی بنا پر ایسا کر رہا ہوں۔

ضابطہ حالانکہ فقہ کا ایک ضابطہ ہے کہ حکم لگانے کے سلسلہ میں غالب احوال کا اعتبار ہوتا ہے اس اعتبار سے دور حاضر میں اور خیر القرون میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس وقت تدین غالب تھا، لوگ عمل میں محتاط تھے لیکن بعد میں حالات بدلتے گئے اور دین و دیانت و اخلاص کی بہت کمی ہوگئی۔ ایک حدیث میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ "ثم یفشو الکذب" کہ خیر القرون

(بقیہ حاشیہ کا) (ب) ضرورت داعیہ (بمعنی اضطرار یا ناقابل برداشت تکلیف) پائی جائے خواہ ضرورت عامہ ہو یا خاصہ، عبادات میں ہو یا معاملات میں۔

(ج) ضرورت وہی معتبر ہوگی جس کو اہل بصیرت ارباب فتاوی اجتماعی فیصلے کی بنیاد پر تسلیم کریں۔

(د) جس امام کے قول کو اختیار کیا جائے اس کی تمام شرائط ملحوظ رکھی جائیں۔

(ہ) دیگر مذاہب کا قول اقوال شاذہ میں نہ ہو۔

(و) تلفیق حرام (خارق اجماع) لازم نہ آئے۔

(۲) اسی طرح کے خصوصی حالات میں اہل بصیرت ارباب فتاوی کے اجتماعی فیصلے کی بنیاد پر اپنے مذہب کے قول ضعیف کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

بشکریہ "الجمعیۃ" ہفت روزہ اصلاح معاشرہ نمبر (۱۱ر نومبر تا ۱۷ر نومبر ۱۹۹۴ء) ۵ر جمادی الثانی تا ۱۱ر جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ)

[1] ترجمان القرآن، رجب، شوال ۶۲ھ، جولائی، اکتوبر ۱۹۴۳ء بحوالہ رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۱۶۰۔

کے بعد کذب پھیل جائے گا اور لوگوں کی حالت بدل جائے گی، لہٰذا خیر القرون سے جتنا بعد ہوتا جارہا ہے اتنے ہی لوگوں کی حالت ابتر ہوتی جارہی ہے اور اب عام طور پر غرض پرستی غالب ہے، ان غالب احوال کو دیکھتے ہوئے عام حالات میں مطلقاً تلفیق کی اجازت دینا بے راہ روی کو دعوت دینا ہے [۱]

بہرحال اسلاف پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ سے مودودی صاحب نے بہت سے مسائل میں آزادی سے کام لیا ہے اور جمہور سے بہت دور چلے گئے ہیں حتیٰ کہ قرآن پاک کی تفہیم و تشریح میں بھی رائے زنی کی ہے اور اسلاف کی رائے کو بھی بعض جگہ ٹھکرا دیا ہے۔ جیسا کہ محاضرہ نمبر ۲ میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، حالانکہ جس علم میں انسان ماہر نہ ہو اس میں اسے حتمی طور پر رائے دینے میں حد درجہ محتاط رہنا چاہیئے۔ خاص کر قلم کی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے کہ کہیں قلم کی آزاد روش بڑی لغزش کا سبب نہ بن جائے۔ ایسا لگتا ہے کہ مودودی صاحب کو شذوذ اور تفرد کا شوق ہے کوئی ضعیف اور شاذ قول کہیں مل جاتا ہے تو اس پر زور دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ میری رائے میں یہ ٹھیک ہے، اور کمزور دلیل بھی ثبوت میں جڑ دیتے ہیں، بعض جگہ عقلی گھوڑے ہی دوڑا دیتے ہیں۔ اور دینی مسائل میں مودودی صاحب ہی کا قلم بے باک نہیں ہے بلکہ مودودی معلومات کے عالم اور ان کے متبعین بھی اس سلسلے میں بے باک ہیں اور تقلید کے بارے میں بھی ان کا یہی حال ہے۔

متبعین مودودیت کو آزادی

واضح ہو کہ مودودی صاحب خود ہی آزاد نہیں ہیں، موصوف اپنی جماعت کے لوگوں کو بھی تبلیغ فرمارہے ہیں کہ تم حنفی یا شافعی یا اہل حدیث یا دوسرے فقہی مسلک پر عمل کرنے میں آزاد ہو۔ موصوف لکھتے ہیں :

> "کوئی وجہ نہیں کہ جماعت اسلامی میں جو شریک ہوں ان کا فقہی مسلک لازماً میرے فقہی مسلک کے مطابق یا اس کے تابع ہو۔ وہ اگر فرقہ بندی کے تعصبات سے پاک رہیں اور حق کو اپنے ہی گروہ میں محدود نہ سمجھیں تو وہ اس جماعت میں رہتے ہوئے

---

[۱] ملخص از اشرف الجواب حصہ دوم ص۱۴۵ زیر عنوان آج کل دین کی حفاظت کیلئے تقلید شخصی نہایت ضروری ہے۔

اپنے اطمینان کی حد تک حنفی، شافعی، اہل حدیث یا کسی دوسرے فقہی مسلک پر عمل کرنے میں آزاد ہیں"[1]

ہمیں کسی فقہی مسلک پر عمل کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ حیرت اس تضاد پر ہے کہ یہی حکم نامہ میں مودودی صاحب ایک سطر قبل یہ لکھ چکے ہیں کہ میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں الخ بقول ان کے اس غیر صحیح مسلک کو اپنانے والا بھی جماعت اسلامی کے مومنین قانتین میں شامل رہے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔ تعجب ہے۔

مودودی صاحب اپنے فقہی مسلک کے علاوہ دیگر مسلک اپنانے کا اپنے محبین کو مشورہ تو دے رہے ہیں مگر وہ ٹس سے مس ہونے والے نہیں ہیں۔ مودودی صاحب کی معلومات پر انھیں پورا یقین ہے خواہ وہ رائے مودودی صاحب نے صحابی رسول کی رائے کو پس پشت ڈال کر اپنائی ہو۔

مودودی صاحب نے تقلید کا قلادہ اپنی گردن سے کیا اتارا کہ ہر مسئلہ میں وہ آزاد نظر آتے ہیں۔

تفسیر وغیرہ کے سلسلہ میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں ان کا فقہ اور علم کلام بھی الگ ہے ....
چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :

"فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر اختیار کیا ہے۔ اور پچھلے آٹھ سال کے دوران میں جو اصحاب "ترجمان القرآن" کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں" [2]

مودودی صاحب کے اس ذوق کی جھلک آپ سابقہ محاضرات میں دیکھ چکے ہیں۔

بہرحال مودودی صاحب کا کتاب وسنت کا بار بار نام لینا اور اپنی کتابوں میں انکا ذکر کرنا محض ایک ڈھونگ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین سے ہٹ کر اپنے تفقہ اور اپنے علم کلام کی روشنی میں ایک نیا دین پیش کیا ہے۔ حالانکہ اسلاف کرام دین کیلئے

---

[1] رسائل ومسائل حصہ اوّل ص۱۵۳۔ [2] روداد جماعت اسلامی حصہ اول ص۱۸۔

ستون ہیں، اور بے ستون قلعہ اسلام باقی نہیں رہ سکتا۔

الغرض: عدم تقلید اور تلفیق بین المذاہب کے سلسلے میں مودودی صاحب کا نظریہ آپ کو معلوم ہوگیا۔ دراصل مودودی صاحب نہ مقلد ہیں اور نہ غیر مقلد" بلکہ آزاد ہیں۔ اسی آزادی کے نتیجہ میں انھوں نے نئے نئے اجتہادات وتفردات پیش کئے ہیں۔ بطور نمونہ چند تفردات حسب ذیل ہیں:

مودودی تفردات

قرآن کی تعلیم سے امت صدیوں ناواقف

مودودی صاحب نے مسائل شرعیہ میں جمہور سے ہٹ کر خوب رائے زنی کی ہے اور اپنی ایک اینٹ کی مسجد الگ بنائی ہے اور دینی احکام ہی میں نہیں بلکہ قرآن مقدس پر بھی موصوف نے ہاتھ صاف کیا اور بتایا کہ صدیوں قرآن کی تعلیم سے ناواقفیت رہی اور قرآن پاک کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم ملت کی نگاہوں سے اوجھل رہی .... وہ فرماتے ہیں:

"بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ (الٰہ، رب، دین، عبادت) کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مدعا کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہوگیا۔

کچھ آگے لکھتے ہیں:

"پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوگئی ہے۔"[1]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں از ص۶ تا ص۸۔

قرآن کی تعلیم کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کا کہ صدیوں تک نہ سمجھا گیا ہو' اہل سنت میں کوئی قائل نہیں ہے، اور کیسے ہو سکتا ہے' یہ قرآن تو مینارۂ ہدایت ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملت کے لئے کتاب وسنت کو چھوڑ گئے ہیں۔

نیز چراغ مصطفوی کو روشن رکھنے والے برابر آتے رہیں گے، انبیاء کی وراثت سینہ بہ سینہ برابر منتقل ہوتی رہے گی۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ پوری ملت اتنی بانجھ ہو جائے کہ صدیوں گذر جائیں اور قرآن پر پردہ پڑا رہے۔ اور صدیوں بعد مودودی صاحب اس پردہ کو اٹھائیں ذرا عقل سلیم سے فیصلہ کریں!۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق علوم شرعیہ کے حامل برابر آتے رہیں گے کوئی زمانہ اور صدی ان سے خالی نہیں رہے گی۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو :

ان اللّٰه عزوجل یبعث لهذه الامة علی راس کل مأة سنة من یجدد لها دینها۔

بیشک اللہ جل شانہٗ اس امت (کی بھلائی) کیلئے ہر سو سال پر ایسے شخص کو مبعوث فرماتے رہیں گے جو امت کے سامنے ان کا دین (غلط باتوں سے) نکھار کر پیش کرے گا۔

مشکوٰۃ میں اس کے فوراً بعد یہ روایت ہے :

یحمل هٰذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین۔ [۱]

ہر آئندہ نسل میں سے اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف باطل پرستوں کے غلط دعوؤں اور جاہلوں کی تاویلوں کو صاف کرتے رہیں گے۔

علماء اہل حق میں سے کسی سے قرآن کی تعلیم صدیوں تک مستور ہونے کی بات منقول نہیں ہے۔ اس تحقیق جدید میں مودودی صاحب ممتاز و منفرد نظر آرہے ہیں۔ ہاں اس تحقیق کے ڈانڈے

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ص ۳۶ :۔

شیعیت سے ضرور ملتے ہیں۔ قرآن کے دوتہائی یا تین چوتھائی غائب ہونے کا عقیدہ شیعوں کا ہے، مگر وہ تو اس زہر کو مسلمانوں کے حلق میں اتار نہ سکے۔ مودودی صاحب مسلمانوں کی ایک جماعت کو یہ نگلوانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قرآن پاک کی تین چوتھائی تعلیم بلکہ اس سے بھی زیادہ صدیوں غائب رہی، پتہ نہیں کونسی غار میں مستور تھی کہ علماء بھی پتہ نہ لگا سکے۔

(العیاذ باللہ)

○ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر مودودی صاحب کی سمجھ سے بالاتر :

لرادك الیٰ معاد (قصص آیت ۸۵)

اس آیت کے سلسلے میں پہلے بھی اشارہ آچکا ہے ـــــــ مودودی صاحب نے "معاد" سے سیاسی اقتدار مراد لیا ہے۔

اس تفسیر میں مودودی صاحب منفرد ہیں، دیگر جملہ مفسرین نے "معاد" سے جنت یا مکہ مراد لیا ہے۔ مگر مودودی صاحب کے حلق میں یہ بات نہیں اتری۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اصل الفاظ ہیں "لرآدك الیٰ معادٍ" تمہیں ایک معاد کی طرف پھیرنے والا ہے" معاد کے لغوی معنی ہیں، وہ مقام جس کی طرف آخر کار آدمی کو پلٹنا ہو، اور اسے نکرہ استعمال کرنے سے اس میں خود بخود یہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ مقام بڑی شان وعظمت کا مقام ہے، بعض مفسرین نے اس سے مراد جنت لی ہے لیکن اسے صرف جنت کے ساتھ مخصوص کر دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

اور اس سے اگلے صفحہ پر یوں قلم بند کرتے ہیں :

"بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سورہ قصص کی یہ آیت مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے راستہ میں نازل ہوئی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ کو پھر مکہ واپس پہنچا دے گا، لیکن اول تو اس کے الفاظ میں کوئی گنجائش اس امر کی نہیں ہے کہ "معاد" سے مکہ مراد لیا جائے، دوسرے یہ سورت روایات کی رو سے بھی اور اپنے مضمون کی داخلی شہادت کے اعتبار سے بھی ہجرت

حبشہ کے زمانہ کی ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کئی سال بعد ہجرت مدینہ کے راستے میں اگر یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اسے کس مناسبت سے یہاں اس سیاق وسباق میں لاکر رکھ دیا گیا، تیسرے اس سیاق وسباق کے اندر مکہ کی طرف حضور کی واپسی کا ذکر بالکل بے محل نظر آتا ہے" [1]

اس آیت مذکورہ کے تحت مودودی صاحب کے تمام رشحات قلم کا مطالعہ کریں گے تو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ مفسرین نے جو اس لفظ "معاد" سے جنت مراد لی ہے۔ مودودی صاحب کو اسکی معقول وجہ نہیں ملی اور موصوف کی عقل میں یہ بات نہیں آئی، اور تاج المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس نے جو اس "معاد" سے مکہ مراد لیا ہے۔ مودودی صاحب کی دیدہ وری دیکھیں کہ ان کو اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ وہ فرماتے ہیں کہ :- - - - - - - اس لفظ (معاد) میں کوئی گنجائش اس امر کی نہیں ہے کہ "معاد" سے مکہ مراد لیا جائے، اس پر جرأت دیکھئے کہ آگے یوں گویا ہوتے ہیں کہ :

"یہ (مکہ والی) روایت اگرچہ بخاری، نسائی، ابن جریر اور دوسرے محدثین نے ابن عباس سے نقل کی ہے۔ لیکن یہ ہے ابن عباس کی اپنی ہی رائے کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے کہ اسے ماننا لازم ہو" [2]

گویا ابن عباس نہ لفظ کے معنی سمجھے، نہ انکو سیاق وسباق نظر آیا، امام بخاری وغیرہ نے بھی ویسے ہی نقل کر دیا، پھر تو مودودی صاحب کی سمجھ حضرت ابن عباس وغیرہ کی سمجھ سے بالاتر ہو گئی۔ یہ تفسیر کے سلسلے میں تفرد ہی نہیں بلکہ بے جا جسارت ہے جس کی دین میں گنجائش نہیں۔

○ بقول مودودی صاحب جمہور کی بات بے دلیل

مودودی صاحب نے فقہی مسائل میں بھی جمہور سے اختلاف کیا ہے ان میں سے ایک سجدہ تلاوت بھی ہے کہ باوضو سجدہ کرنے کی شرط جو جمہور نے

---

[1] تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۶۶، ۶۶۷۔
[2] " " ج ۳ ص ۶۶۷۔

لگائی ہے وہ بے دلیل ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ سورہ اعراف کے سجدہ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اس سجدہ کے لئے جمہور انہی شرائط کے قائل ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں، یعنی باوضو ہونا، قبلہ رخ ہونا، اور نماز کی طرح سجدے میں زمین پر سر رکھنا، لیکن جتنی احادیث سجود تلاوۃ کے باب میں ہم کو ملی ہیں ان میں کہیں ان شرطوں کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت سجدہ سن کر جو شخص جہاں جس حالت میں ہو جھک جائے، خواہ باوضو ہو یا نہ ہو، خواہ استقبال قبلہ ممکن ہو یا نہ ہو خواہ زمین پر سر رکھنے کا موقع ہو یا نہ ہو، سلف میں بھی ہم کو ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کا عمل اس طریقے پر تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہؓ بن عمر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ وضو کے بغیر سجدہ تلاوت کرتے تھے"

مودودی صاحب نے احادیث کی جستجو کی، ان کو ان میں کہیں بھی ان شرطوں کے لئے کوئی دلیل نہیں ملی جن شرائط کے جمہور قائل ہیں۔ ان احادیث سے مودودی صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ کہیں بھی ہو، کسی حالت میں ہو، وضو ہو یا نہ ہو بس جھک جائے۔ مودودی صاحب کے نزدیک سجدہ ادا ہو جائے گا مودودی صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی سمجھ کا اظہار کرتے ہوئے اور گل کھلائے ہیں۔ چنانچہ آگے یوں رقمطراز ہیں :

"ان وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جمہور کے مسلک کے خلاف عمل کرے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی۔ کیوں کہ جمہور کی تائید میں کوئی سنت ثابتہ موجود نہیں ہے اور سلف میں ایسے لوگ پائے گئے ہیں جن کا عمل جمہور کے مسلک سے مختلف تھا"[1]

معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت کی ان شرائط پر جمہور کا اجماع ہے۔ مگر مودودی صاحب منفرد نظر آرہے ہیں اور بخاری کا حوالہ دے کر اپنی بات کو باوزن بنا رہے ہیں۔ لیکن مودودی صاحب نے یہاں

---

[1] تفہیم القرآن جلد دوم ص۱۱۶۔

تجاہل سے کام لیا ہے، ورنہ موصوف نے جہاں بخاری شریف سے حضرت عبداللہؓ کا یہ فعل نقل کیا ہے وہیں حاشیہ بھی دیکھ لیتے ۔ جس میں عینی شرح بخاری کے حوالہ سے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر کا فتویٰ نقل کیا ہے :

لایسجد الرجل الا وھو طاہر[1] کوئی آدمی بے وضو سجدہ نہ کرے ۔

مگر مودودی صاحب اس کو نقل کرتے تو قلعی کھل جاتی، اور یہ تحقیق انیق بھی ان کی سامنے نہ آتی کہ جمہور کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے ۔ اور جمہور کی تائید میں کوئی سنت ثابتہ نہیں ہے، سارا بھانڈا پھوٹ جاتا ۔

حالانکہ محققین جانتے ہیں کہ کسی کے عمل کے مقابلہ میں اس کے قول اور فتویٰ کو ترجیح ہوتی ہے تو یہاں حضرت عبداللہ بن عمر کے اس فتوے کو ترجیح ہوگی کہ لایسجد الرجل الا وھو طاھر" اور ابن عمرؓ کا وہ عمل کسی عذر کی بناء پر ہوگا ۔ اسی لئے تو انھوں نے لوگوں کے سامنے اس شک کو دور کر دیا اور فرمایا کہ باوضو ہو کر ہی سجدہ کیا جائے ۔

مودودی صاحب نے اس طرح کی انفرادی شان بہت سے فقہی مسائل میں ظاہر فرمائی ہے ۔ ایک اور مثال لیجئے :

مودودی صاحب کو اپنی سمجھ پر زیادہ اعتماد ہے ۔ اس لئے جگہ جگہ یوں فرماتے ہیں کہ "میری یہ رائے ہے" اور میں یہ مناسب سمجھتا ہوں" نیز شاذ قول کہیں مل جاتا ہے تب تو اسی کو ترجیح دینے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں کہ جمہور سے الگ کوئی نئی تحقیق سامنے آنی چاہئے ۔ اسی کی ایک کڑی حقیقت خضر ہے ۔

سورۂ کہف میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ فرمان باری ہے :

فوجدا عبداً من عبادنا اٰتیناہ رحمۃ من عبادنا وعلمناہ من لدنا علماً ۔	اور وہاں انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے

---

[1] حاشیہ بخاری شریف جلد ۱ صـ۱۴۶ حاشیہ (۵)

نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔

ان بندۂ خدا کا نام خضر ہے جیسا کہ مفسرین نے وضاحت کی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ قال ابن عباس رض ھو خضر" حضرت ابن عباس کا فرمان ہے کہ ان کا نام خضرؑ تھا"

○ **حقیقت خضر** خضر کے سلسلے میں علماء کرام نے مفصل کلام کیا ہے، یہاں مختصراً عرض ہے جمہور مفسرین حضرت خضر کو انسان مانتے ہیں، صرف اختلاف اس میں ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے۔[1]

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رح فرماتے ہیں:

"قرآن کریم نے یہ بھی واضح نہیں کیا کہ خضرؑ کوئی پیغمبر تھے یا اولیاء اللہ میں سے کوئی مرد تھے، لیکن جمہور علماء کے نزدیک ان کا نبی ہونا خود قرآن کریم میں ذکر کئے ہوئے واقعات سے ثابت ہے، کیوں کہ خضر علیہ السلام سے اس سفر میں جتنے واقعات ثابت ہیں، ان میں سے بعض تو قطعی طور پر خلاف شرع ہیں، اور حکم شریعت سے کوئی استثناء بجز وحی الٰہی کے ہو نہیں سکتا جو نبی اور پیغمبر ہی کے ساتھ مخصوص ہے، ولی کو بھی کشف یا الہام سے کچھ چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں، مگر وہ حجت نہیں ہوتی، انکی بناء پر ظاہر شریعت کے کسی حکم کو بدلا نہیں جا سکتا، اس لئے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ خضرؑ اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے ان کو بذریعہ وحی الٰہی بعض خاص احکام وہ دیئے گئے تھے جو ظاہر شریعت کے خلاف تھے، انہوں نے جو کچھ کیا، اس استثنائی حکم کے ماتحت کیا، خود ان کی طرف سے اس کا اظہار بھی قرآن کے اس جملہ میں ہو گیا (ما فعلته عن امری) یعنی میں نے جو کچھ کیا، اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ امر الٰہی سے کیا ہے۔"[2]

مگر مودودی صاحب اپنی تفسیر میں اس واقعہ کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہاں انہوں نے ایک مرد کو پایا حضرت

---

[1] ملاحظہ ہو جلالین ص۲۴۹ بیضاوی شریف ص۳۵۵ و حاشیہ ص۲۶۰، تفسیر ماجدی ص۶۱۵۔
[2] معارف القرآن جلد پنجم ص۶۰۰۔ ه بخاری شریف ص۱۷۔

خضرؑ کے انسان ہونے پر صریح دلالت نہیں کرتا' اس کے بعد ہمارے لئے اس پیچیدگی کو رفع کرنے کی صرف یہی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم خضرؑ کو انسان نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے یا اللہ کی کسی اور ایسی مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع کی مکلف نہیں ہے بلکہ کارگاہِ مشیت کی کارکن ہے متقدمین میں سے بھی بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے۔" [۱]

گویا مودودی صاحب حضرت خضرؑ کو انسان نہیں مانتے بلکہ فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق مانتے ہیں' مگر معلوم ہونا چاہئے کہ فرشتہ کا قول انتہائی غریب و شاذ ہے جیسا علامہ عینی فرماتے ہیں :

واغرب ما قیل انه من الملٰئكة والصحیح انه نبی جزم به جماعة وقال الثعلبی هو نبی علی جمیع الاقوال (الیٰ قوله) وجزم به ابن الجوزی فی كتابه۔	اور سب سے غریب و شاذ قول یہ ہے کہ وہ فرشتہ ہیں' صحیح یہ ہے کہ حضرت خضرؑ نبی ہیں اور اسی پر ایک جماعت نے یقین کیا ہے۔ اور ثعلبی کا قول ہے کہ وہ تمام کے نزدیک نبی ہیں اور اسی پر ابن جوزی نے اپنی کتاب میں یقین دکھایا ہے۔ [۲]

اب خود فیصلہ کریں کہ جمہور کا قول کہ وہ نبی تھے جس پر کہ ابن جوزی جیسی شخصیت نے زور دیا ہے یہ زیادہ وزنی ہے یا مودودی صاحب کا قول ؟ اس کو سوائے جدت دکھانے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

روایت کذبات ثلاث بخاری و مسلم کی حدیث کو مودودی صاحب نے جمہور سے ہٹ کر عقل کی کسوٹی پر پرکھا ہے جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں :

"بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹ تو یہ ہے (اس کا اشارہ قال بل فعله كبيرهم هٰذا الخ کی طرف کر رہے ہیں) اور دوسرا جھوٹ سورۂ صافات

---

[۱] تفہیم القرآن ص۴۲ جلد۳۔

[۲] حاشیہ بخاری شریف از عینی ص۱۷ جلد۱ (حاشیہ ۶)

میں حضرت ابراہیمؑ کا قول انی سقیم ہے، اور تیسرا جھوٹ ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں بلکہ بائبل کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔

مودودی صاحب اس پر بحث کرتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں ؛

" حدیث کی زیر بحث روایت میں تیسرے "جھوٹ" کی بنیاد اسی صریح لغو اور مہمل اسرائیلی روایت پر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو بھی ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لئے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے ؟ اسی طرح کی افراد پسندیاں ہر معاملے کو بگاڑ کر اس تفریط تک نوبت پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کر رہے ہیں" لہ

حدیث کی اس تیسری بات کو مودودی صاحب نے اپنے رسائل مسائل میں مہمل افسانہ قرار دیا ہے (نعوذ باللہ)

حضرت شیخ المحدثین مولانا فخر الدین احمد نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں :

"تیسرا کذب یعنی جس میں اپنی رفیقہ حیات حضرت سارہؑ کو اپنی بہن ظاہر فرمایا تھا سو اہل عقل کے نزدیک تو زوجیت اور اختیت میں کوئی منافات نہیں ہے۔ یعنی رشتہ کی بہن بھی ہوں اور زوجہ بھی ہوں، چنانچہ حضرت سارہؑ حضرت ابراہیمؑ کی چچازاد بہن بھی ہیں یعنی ہاران اکبر کی صاحب زادی ہیں جو کہ آپ کے چچا تھے، اور زوجہ بھی۔ ایک تو نسبتی رشتہ ہے اور دوسرا رشتہ اسلامی اخوت کا ہے جس کو خود حضرت ابراہیمؑ نے انک اختی فی کتاب اللہ سے ظاہر فرمایا ہے۔

لہ تفصیل کے لئے دیکھئے۔ تفہیم القرآن سورہ انبیاء از ص۱۶۷ ص۱۶۹ حاشیہ نمبر۶۰ جلد ۳۔

بہر حال ان تینوں چیزوں پر کذب کا اطلاق الزام کے طور پر نہیں ہے بلکہ اظہار برأت اور نزاہت کے لئے ہے یعنی حضرت ابراہیم کا دامن تقدس کذب سے پاک و صاف ہے، ان کے یہاں جھوٹ کا کیا کام ہے، لے دے کے ان کی زندگی میں تین چیزیں ایسی نکلتی ہیں جنھیں بنظر سرسری کذب کہا جا سکتا ہے مگر وہ بھی کذب نہیں۔[۱]

اس حدیث کے سلسلے میں معتدل مسلک

یہ قطعی اور یقینی عقیدہ ہے کہ نبی اور رسول کی جانب "کذب" کی نسبت کسی حال میں درست نہیں ہے، دوسری طرف صحیحین کی یہ روایات "تلقی بالقبول" کی وجہ سے صحت اور شہرت کے اس درجہ اور مرتبہ کو پہنچ چکی ہیں جو اخبار آحاد میں شمار نہیں ہو سکتیں، اس لئے ان روایات کو مردود قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ "ثلث کذبات" کے جملہ کی یہ توجیہ کرنی چاہئے کہ اس مقام پر کذب سے مراد یہ ہے کہ ایسا کلام جو صحیح اور پاک مقصد کے لئے بولا گیا ہو لیکن مخاطب اس کا وہ مطلب نہ سمجھے جو متکلم کی مراد ہے بلکہ ان الفاظ کو اپنی ذہنی مراد کے مطابق سمجھے۔ جمہور علماء اسلام کی یہی رائے ہے۔[۲]

مگر مودودی صاحب کی جرأت دیکھئے کہ جمہور کے برخلاف اس کو مہمل افسانوں میں سے قرار دے رہے ہیں۔

○ مودودی صاحب کا اعتزال

فرقہ معتزلہ ایک قدیم فرقہ ہے جو اپنے دیگر مخصوص عقائد کے ساتھ اس بات کا بھی قائل ہے کہ ایمان وکفر کے درمیان ایک درجہ ہے اور کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان وکفر کے درمیان معلق ہے کہ وہ نہ اس کو مومن قرار دیتے ہیں، نہ کافر۔[۳] مودودی صاحب اور ان کے معاون خصوصی نے بھی لاہوری مرزائیوں کو ایمان اور کفر کے درمیان لٹکا رکھا ہے جب کہ تمام اہل سنت بلکہ اہل بدعت اور شیعہ تک بھی ان لاہوری مرزائیوں (قادیانیوں) کے کفر پر متفق ہیں، انکی تحریر

---

[۱] ایضاح البخاری جزء ۳ ملخصاً بحوالہ تفہیم القرآن کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ص ۱۳۱۔

[۲] ملخص از قصص القرآن جلد ۱ ص ۲۰۳ و ص ۲۰۴، [۳] دیکھئے شرح العقائد ص ۵۔

ملاحظہ ہو:

آپ کا خط ملا "مرزائیوں کی لاہوری جماعت کفر و اسلام کے درمیان معلق ہے یہ نہ ایک مدعی نبوت سے بالکل برأت ظاہر کرتی کہ اس کے افراد کو مسلمان قرار دیا جاسکے نہ اس کی نبوت کا صاف اقرار ہی کرتی ہے کہ اس کی تکفیر کی جاسکے" (خاکسار غلام علی)

معاون خصوصی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

"یہ جواب میری ہدایات کے مطابق ہے" [1]

ابوالاعلیٰ (دستخط ابوالاعلیٰ مودودی صاحب)

مودودی صاحب اور ان کے معاون صاحب کا یہ اعلیٰ درجہ کا تفرد ہے کہ جس میں جمہور اہل سنت والجماعت سے بالکل دور کھڑے نظر آرہے ہیں نہ جانے قلم کی آزادروش ان کو کہاں لے جائے گی ہر مسئلہ میں ٹانگ اڑا دیتے ہیں۔ مودودی صاحب سے یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ:

فان کنت لاتدری فتلك مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

ترجمہ: اگر حقیقت کا علم نہیں تو یہ ایک حادثہ ہے، اور اگر جان کاری ہے، تب بھی ایسا کیا تو پھر مصیبت بالائے مصیبت ہے۔

○ **دیہات میں نماز جمعہ** مودودی صاحب نے مجتہد بنکر بہت سے مسائل میں رائے زنی کی ہے ان ہی میں سے ایک دیہات میں نماز جمعہ کا مسئلہ ہے، دیہات میں نماز جمعہ کے عنوان سے تفہیمات حصہ دوم ص۳۸۳ سے اس بحث کو شروع کیا ہے اور خوب گل کھلائے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے اقامت جمعہ کے لئے جو مصر (شہر) قصبہ وغیرہ کی قید لگائی ہے یہ ضروری نہیں۔ دیہاتیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ فرض آپ پر بھی اسی طرح عائد ہوتا ہے جس طرح شہر والوں پر۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ فقہاء کرام نے مصر کی جو خصوصیات بیان کی ہیں

---

[1] اس عبارت کا بعینہٖ عکس دیکھنا ہو تو کتاب مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں ص۱۵۷ دیکھئے

وہ بالکل ناقابل لحاظ نہیں ہیں لیکن ـــــ آگے لکھتے ہیں ؛

"یہ امور اقامت جمعہ کے شرائط میں سے نہیں ہیں" مودودی صاحب نے اپنے زور قلم سے عامی ذہن کو مسحور کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اہل دیہات پر بھی جمعہ فرض ہے (جب کہ دیگر ائمہ کرام نے بھی جمعہ کے لئے کچھ نہ کچھ شرطیں ضرور لگائی ہیں۔

اس کا مختصراً جواب یہ ہے کہ بخاری شریف میں ہے " وکان انس فی قصرہ احیانا یجمع واحیاناً لا یجمع" یعنی حضرت انس جب اپنے مکان میں رہتے تو کبھی جمعہ کے لئے آتے اور کبھی نہیں آتے تھے (کیوں کہ ان کا مکان شہر سے باہر فاصلہ پر تھا) [1]

اس حدیث کے ہوتے ہوئے یوں کہنا کہ دیہاتوں پر بھی یہ فرض جمعہ اسی طرح عائد ہوتا ہے جس طرح شہر والوں پر کتنی بڑی دیدہ وری کی بات ہے۔

مسئلہ زکوٰۃ آج کل جو لوگ زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، صحیح مسلک یہ ہے کہ ان کے قبضہ میں چلے جانے کے بعد زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک کہ یہ زکوٰۃ وصول کرنے والے اس کے مصرف میں نہ لگادیں، اور مستحقین کو مالک نہ بنا دیں۔ یہ خود مالک نہیں ہوتے۔۔۔ لیکن مودودی صاحب آیت ؛ انما الصدقات الخ پر کلام کرتے ہوئے اور سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؛

> "لام کو اگر تملیک ہی کے معنی میں لیا جائے تو ایک شخص جب زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے اموال عاملین علیہا کے سپرد کر دیتا ہے تو گویا وہ انھیں اس کا مالک بنا دیتا ہے اور یہ اُسی طرح ان کی ملک بن جاتے ہیں جس طرح فَئ اور غنیمت کے اموال حکومت کی ملک بنتے ہیں، پھر ان پر یہ لازم نہیں رہتا کہ وہ ان اموال کو آگے جن مستحقین پر بھی صرف کریں بصورت تملیک ہی کریں" [2]

حالانکہ پوری امت کا اجماع ہے کہ بغیر تملیک فقیر کے زکوٰۃ وصدقات واجبہ ادا نہیں ہونگے۔

---

[1] تفصیل کے لئے، فتنہ مودودیت ص۱۴۶ سے دیکھئے اس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے اس مسئلہ پر بہت عمدہ بحث کی ہے۔ [2] رسائل ومسائل حصہ ۳ ص۱۸۶۔

سفیر صدقات، زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں ان کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے۔ کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں بلکہ اصحاب زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں"۔ [1]

لیکن مودودی صاحب کی سمجھ اس سے بالا ہے۔

○ **بندوق کے شکار کی حلت** ایک صاحب نے مودودی صاحب کو لکھا کہ بندوق سے مرے ہوئے شکار کو حلال لکھ کر آپ نے ایک نئی بات کا اختراع کیا ہے...... انھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ بندوق کی گولی میں دھار نہیں ہوتی بلکہ اس کی ضرب شدید سے جانور مرتا ہے۔ کارتوسوں پر عام طور پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ اس کی طاقت اتنے پونڈ ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اس کی دھار اتنی تیز ہے۔ ضرب سے مرا ہوا شکار قطعی ناجائز ہے، اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے (اس سائل نے یہ بھی لکھا ہے) کہ تفسیر حقانی میں لکھا ہے کہ قاضی شوکانی نے بندوق کے مارے ہوئے کے حرام ہونے میں اختلاف کیا ہے لیکن قاضی صاحب کا اختلاف حجت نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ مجروح احادیث بیان کرنے والا ہونے کے علاوہ اہل تشیع کی طرف میلان رکھتا ہے۔

جواباً مودودی صاحب اس پر بہت بگڑے، نیز اپنے انداز کے دلائل دے کر اس کو خوش کرنے کی کوشش کی اور اخیر میں لکھا کہ:

"ان وجوہ سے میری رائے میں اگر خدا کا نام لے کر بندوق چلائی جائے اور اس کی گولی یا چھرّے سے جانور مرجائے تو اس کے حلال نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے"۔ [2]

مودودی صاحب کے برخلاف فقہاء کرام نے ایسے جانور کو جو محض غلّہ یا گولی سے بلا ذبح

---

[1] معارف القرآن جلد ۴ ص ۳۹۹، [2] رسائل ومسائل حصہ ۱ ص ۶۷۔

نیز معلوم ہو کہ محققین کے نزدیک قرآن پاک میں العاملین علیہا سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ وعشر وغیرہ ...... لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں جیسا کہ مفسرین نے آیت "انما الصدقات" کے تحت اس کی وضاحت کی ہے مگر مودودی صاحب عاملین سے مراد عام زکوٰۃ وصول کرنے والے بھی مراد لیتے ہیں .... وہ لکھتے ہیں :

"اب یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ عاملین علیہا کے الفاظ جو قرآن میں ارشاد فرمائے گئے ہیں ان کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے۔ لوگ اسے صرف ان کارندوں تک محدود سمجھتے ہیں جن کو حکومت اسلامی اس کام کے لئے مقرر کرے۔ لیکن قرآن کے الفاظ عام ہیں جن کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے جو زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے سلسلے میں "عمل" کرے۔ اس عام کو خاص کرنے والی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں ہے"

آگے رقم طراز ہیں :

"میرے نزدیک اگر قرآن کے الفاظ کی عمومیت نگاہ میں رکھی جائے تو صرف مذکورہ بالا عاملین ہی پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ دوسرے بہت سے کارکن بھی اس تعریف میں آتے ہیں۔ مثلاً :
ایک یتیم کا ولی، ایک بیمار یا اپاہج کی خبرگیری کرنے والا۔ اور ایک بے کس بوڑھے کا نگہبان بھی "عامل" ہے۔ اسے زکوٰۃ وصول کر کے ان لوگوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کا حق ہے اور اس میں سے معروف طریقہ پر اپنے عمل کی اُجرت بھی وہ چاہے تو لے سکتا ہے" [1]

معارف القرآن میں "عاملین علیہا" پر دلائل کیساتھ بڑی نفیس بحث کی ہے۔ تفصیل سے مسئلہ منقح کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :

"آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے

---

[1] رسائل ومسائل ص۱۸۷-۱۸۸۔

مرجائے تو اس کو موقوذہ (وہ جانور جو کسی ضرب سے مرجائیں) کے حکم میں داخل کیا ہے۔
تفسیر کبیر میں ہے۔

"ویدخل فی الموقوذة مارمی بالبندق فمات" [۲]

امام جصاص رحمہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے المقتولة بالبندقة تلک الموقوذة" ——— یعنی بندوق کے ذریعہ جو جانور قتل کیا گیا ہے وہ ہی موقوذہ ہے۔ اس لئے حرام ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ، شافعی، مالک وغیرہ سب اس پر متفق ہیں [۲] دراصل بندوق کے ذریعہ شکار کے مرنے پر اس میں احراق پایا گیا، اھراق نہیں (خون جلا ہے بہا نہیں) حالانکہ خون بہنا چاہیئے۔

نوٹ: مودودی صاحب کا حذف عبارت

اس موقع پر ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ مودودی صاحب اگر اپنے لٹریچر میں کسی عبارت کو حذف کردیں تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کا نظریہ بھی بدل گیا۔

یہی بندوق سے شکار کی حلت کا مسئلہ پہلے تفہیم القرآن میں بھی تھا جب کہ وہ قسط وار ترجمان القرآن میں شائع ہورہی تھی، بعد میں اس سے نکال دیا گیا۔ مگر رائے نہیں بدلی، اس پر مودودی صاحب خود لکھتے ہیں:

> "اب نظرثانی کے بعد اس میں سے یہ مسئلہ نکال دیا گیا ہے نہ اس لئے کہ معاملہ میں میری رائے بدل گئی ہے۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہاں تفصیلی دلائل کا موقعہ نہیں تھا، اور دلائل کے بغیر محض ایک رائے درج کردینے سے خوامخواہ غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا" [۳]

جہاں اپنے نظریہ اور مقصد کی بات آگئی ہے مودودی صاحب نے وہاں تو خوب صفحات کالے کئے ہیں

---

[۱] بحوالہ ماجدی ص۲۳۶؛ [۲] معارف القرآن جلد سوم ص۲۹؛
[۳] حاشیہ رسائل ومسائل حصہ اوّل ص۶۹؛ عــہ اس طـرح کا مفہوم ہدایہ کے اندر بھی ہے ملاحظہ ہو۔ هدایہ جلد۴ ص۴۹۵؛۔

مودودی صاحب اور سینما :

سوال : میں ایک طالب ہوں میں نے جماعت اسلامی کے لٹریچر کا وسیع مطالعہ کیا ہے، خدا کے فضل سے مجھ میں نمایاں ذھنی و علمی انقلاب رونما ہوا ہے، مجھے ایک زمانے سے سینما فوٹوگرافی سے گہری دلچسپی ہے اور اس سلسلے میں کافی معلومات فراہم کی ہیں، نظریات کی تبدیلی کے بعد میری دلی خواہش ہے کہ اگر شرعًا ممکن ہو تو اس فن سے دینی و اخلاقی خدمت لی جائے، آپ براہ نوازش مطلع فرمائیں کہ اس فن سے استفادہ کی گنجائش اسلام میں ہے یا نہیں ؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر یہ بھی واضح فرمائیں کہ عورت کا کردار پردۂ فلم پر دکھانے کی بھی کوئی جائز صورت ممکن ہے یا نہیں

جواب (از مودودی صاحب) :

میں اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ یہ خیال ظاہر کر چکا ہوں کہ سینما بجائے خود جائز ہے البتہ اس کا ناجائز استعمال اس کو ناجائز کر دیتا ہے۔ سینما کے پردے پر جو تصویر نظر آتی ہے وہ دراصل تصویر نہیں، بلکہ پرچھائیں ہے جس طرح آئینے میں نظر آیا کرتی ہے اس لئے وہ حرام نہیں ہے۔ رہا وہ عکس جو فلم کے اندر رہتا ہے تو وہ جب تک کاغذ یا کسی دوسری چیز پر چھاپ نہ لیا جائے نہ اس پر تصویر کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ وہ ان کاموں میں سے کسی کام کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے جن سے باز رہنے ہی کی خاطر شریعت میں تصویر کو حرام کر دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے میرے نزدیک سینما بجائے خود مباح ہے۔

جہاں تک اس فن کو سیکھنے کا تعلق ہے کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو اس سے منع کیا جائے، آپ کا اس طرف میلان ہے تو آپ اسے سیکھ سکتے ہیں، بلکہ اگر مفید کاموں سے اسے استعمال کرنے کا ارادہ ہو تو آپ اسے ضرور سیکھیں" [1]

---

[1] رسائل و مسائل حصہ ۲ ص ۲۷۳۔

مودودی صاحب نے اس تصویر کو جو سینما کے پردہ پر نظر آتی ہے اس کو پرچھائیں کہا ہے کہ جس طرح آئینہ میں دکھائی دیتی ہے ۔

اگر آئینہ میں کسی عورت کی تصویر نظر آرہی ہو تو کیا اس کی طرف دیکھنا جائز ہے ؟ .... مودودی صاحب اپنے قیاس کی رو سے شاید جواز کا فتویٰ دینگے ۔ اور سینما میں جہاں منافع ہیں وہیں مفاسد اس سے بڑھ کر ہیں (واثمہ اکبر من نفعہ)

○ **داڑھی کی مقدار کا مسئلہ** جمہور ایک مشت لمبی داڑھی رکھنے کو ضروری قرار دیتے ہیں، مگر مودودی صاحب کے نزدیک داڑھی کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے ۔ ان کے نزدیک داڑھی کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ۔ ایک صاحب نے مودودی صاحب کے اس فرمان پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ بڑے بڑے علماء کا اس پر فتویٰ موجود ہے کہ داڑھی ایک مشت بھر لمبی ہونی چاہئے اور اس سے کم داڑھی رکھنے والا فاسق ہے، تو جواباً مودودی صاحب نے لکھا کہ :

"یہ تو انہی علماء سے پوچھنا چاہئے کہ ان کے پاس مقدار کی تعیین کے لیے کیا دلیل ہے؟ اور خصوصاً "فسق" کی وہ آخر کیا تعریف کرتے ہیں جس کی بناء پر ان کی متعین کردہ مقدار سے کم داڑھی رکھنے والے پر فاسق کا اطلاق ہو سکتا ہے ؟ مجھے سخت افسوس ہے کہ "بڑے بڑے علماء" خود حدود شرعیہ کو نہیں سمجھتے اور ایسے فتوے دیتے ہیں جو صریحاً حدود شرعیہ سے متجاوز ہیں ۔

داڑھی کے متعلق شارع نے کوئی حد مقرر نہیں کی ہے، علماء نے جو حد مقرر کرنیکی کوشش کی ہے وہ بہرحال ایک استنباطی چیز ہے اور کوئی استنباط کیا ہوا حکم وہ حیثیت حاصل نہیں کر سکتا جو نص کی ہوتی ہے، کسی شخص کو اگر فاسق کہا جا سکتا ہے تو صرف حکم منصوص کی خلاف ورزی پر کہا جا سکتا ہے"۔

مودودی صاحب ایک دوسرے جواب میں لکھتے ہیں :

"میرے نزدیک کسی کی داڑھی کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا، اصل چیز جو آدمی کے ایمان کی کمی اور بیشی پر دلالت کرتی ہے وہ

تو اور ہی ہے" ؎

حقیقت مسئلہ داڑھی منڈوانے اور کترواکر ایک مشت سے کم کرانے کی حرمت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، مالکیہ، شافعیہ، اور حنبلیہ کی کتابوں میں بھی اسکی حرمت بہت واضح طور پر مذکور ہے ؎۲

احادیث شریفہ میں داڑھی کے سلسلے میں واضح طور پر حضور اکرمؐ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ داڑھی بڑھاؤ ——— زیادہ کرو ——— خوب چھوڑو۔

اور مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ صرف ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے۔ ڈاڑھی کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دیدہ ودانستہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہتان ہے۔ بخاری شریف ومسلم شریف ودیگر کتب حدیث میں اس طرح کی روایات بکثرت موجود ہیں جس میں بڑھانے کا حکم ہے۔

حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ نے بڑی تفصیل کے ساتھ ایک سوال کے جواب میں تحقیقی جواب دیا ہے جو کتابی شکل میں بنام "داڑھی کا فلسفہ" شائع ہو چکا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمالیں۔ اس مسئلہ میں بھی مودودی صاحب امت کے سواد اعظم کو چھوڑ کر اپنی عقل سے رائے زنی کر رہے ہیں۔

مودودی صاحب پر ریمارک اس مسئلہ میں مودودی صاحب کے اپنے بھی چپ نہ رہ سکے۔ چنانچہ مولانا سید احمد صاحب عروج قادری مدیر ماہنامہ زندگی رامپور نے داڑھی کی ایک مشت مقدار کے ضروری ہونے پر دلائل دیئے، اور اپنے مودودی صاحب پر وہ بہت برہم ہوئے ہیں، ان کا مختصراً ایک پیراگراف یہاں پیش خدمت ہے؛

"یہ بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے مولانا (مودودی) مدظلہ نے اپنی تحریروں میں اس طرح کی بات بار بار دہرائی ہے

؎ رسائل ومسائل حصہ اول ص۱۲۱-۱۲۲ ؛ ؎۲ ملاحظہ ہو جواہر الفقہ ص۱۵-۲۱۷ ج۲

کہ پڑھنے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ کسی شئ کی مقدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے بغیر شرعاً متعین ہو ہی نہیں سکتی۔ حالانکہ یہ اصول کسی اختلاف کے بغیر مسلم ہے کہ مقدار کی تعیین اور اجمال کی تبیین جس طرح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول سے ہوتی ہے اسی طرح آپ کے فعل سے بھی ہوتی ہے اور بیسیوں مجمل احکام کے بیان اور متعدد مقادیر کی یقین کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف افعال کو دلیل و حجت بنایا گیا ہے۔ اور بعض کے لئے تو آپ کے فعل کے سوا کوئی قول سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر حد خمر کے لئے کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے، چور کا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے ؟ اس کے لئے کوئی قولِ رسول موجود نہیں ہے۔ تراویح میں کتنی رکعتیں ہوں ؟ اس کے لئے کوئی نص موجود نہیں ہے تو کیا داڑھی کی مقدار کی طرح ان احکام میں بھی اب مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنی پسند کے مطابق جو کچھ چاہیں اختیار کرلیں ؟ اگر ان تمام حدود و مقادیر میں حضور کا فعل واجب العمل ہے، تو پھر مقدار لحیہ کیوں اس سے خارج ہوجائیگی" [1]

⊙ اسی طرح مودودی صاحب نے متعہ وغیرہ کے مسئلہ میں رائے زنی کی ہے گویا کہ وہ شیعوں کو بھی راضی رکھنا چاہتے ہیں [2]

اور کتنے ہی مسائل ہیں جن کے متعلق فرماتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے یا جمہور کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، یا قرآن کا سیاق وسباق یہ بتا رہا ہے یہ اسلاف کا قول ہے۔ حدیث میں نہیں ہے اس لئے اس کی اہمیت نہیں ہے۔

ہر مسئلہ پر مودودی صاحب کی کچھ نہ کچھ نگارشات ضرور ملیں گی۔ قرآن سے موصوف نے پردہ اٹھایا جو صدیوں سے اس پر پڑا تھا، حدیث میں انھوں نے عقلی گھوڑے دوڑائے عصمت انبیاء پر ان کا قلم چلا۔

---

[1] داڑھی کے مسئلہ کی مزید تنقیح اور قادری صاحب کے تفصیلی ریمارک کے لئے ملاحظہ ہو، اختلافِ امت اور صراط مستقیم از ص ۲۲۴ تا ص ۲۵۵ ، [2] ملاحظہ ہو، مودودی مذہب ص ۱۰۲ ۔

مودودی لٹریچر پر نظر ثانی امیر جماعت کا اعتراف

مودودی صاحب کے قلم کی بے باکی اور رائے کی آزادی کے آپ نے چند نمونے ملاحظہ فرمائے، اور یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ اس طرح کے مودودی لٹریچر سے اسلاف اور ائمہ ہدایت کی اتباع سے عوام میں بے تعلقی اور آزادی پیدا ہو جاتی ہے جو عوام کیلئے گمراہی کا باعث ہے، انہی خرابیوں کو ہمارے اکابر نے پہلے ہی طشت از بام کیا ہے بلکہ سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابو اللیث صاحب کی حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے مودودی لٹریچر کے سلسلے میں خط و کتابت بھی ہوئی ہے تو امیر جماعت اسلامی ہند نے اپنے فرائض منصبی کا لحاظ کرتے ہوئے لٹریچر کی خرابی کا کھل کر تو اعتراف نہیں کیا تاہم دبے لفظوں میں وہ اعتراف کر گئے ہیں۔ اور موصوف ان عبارات کو بدل دینے یا حذف کر دینے کی کوشش چند سال پہلے سے کر رہے تھے۔

مولانا ابو اللیث صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> "لٹریچر پر نظر ثانی کے متعلق میں اپنا نقطۂ نظر مولانا مدنی مدظلہ العالی کے خط میں واضح کر چکا ہوں، میں اس کی ضرورت سے بالکل متفق ہوں اور جیسا کہ میں نے اس خط میں بھی واضح کیا ہے، یہ کام موجودہ ہنگامہ آرائی سے پہلے سے ایک خاص امتیاز کے ساتھ ہو بھی رہا ہے" [1]

تبدیلی عبارت کی وجوہ بیان کرتے ہوئے وہ آگے چل کر یوں فرماتے ہیں:

> "ان میں مناسب تبدیلیاں کر دی جائیں، یا ضرورت ہو تو ان کو سرے سے حذف کر دیا جائے، اور میرے نزدیک اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے بلکہ یہ مختلف وجوہ سے بے انتہا ضروری ہے اور میں یہاں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس ضرورت کا احساس کچھ اسی وقت ہمارے اندر نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ ایک عرصہ سے میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں میں نے اسکے

---

[1] ماہنامہ زندگی ماہ ستمبر ۱۹۵۱ء ص۶۵ بحوالہ دو ضروری مسئلے ص۱۸۔

سلسلہ میں تحریک شروع کی تھی، لیکن اس کے بعد ہی ملک تقسیم ہوگیا" لہ

بہرحال اگر حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مودودی صاحب بہت سے مسائل میں جمہور اہل سنت والجماعت سے کوسوں دور جا پڑے ہیں اور راہ حق سے ہٹ گئے ہیں، رہے ان کے ماننے والے تو وہ آنکھیں بند کر کے ان کی ہر تحقیق پر آمنا صدقنا کہتے ہیں۔

مزید برآں، اب ان کے متبعین کا حال یہ ہے کہ وہ ان کے خلاف سننے کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں، لٹریچر پر نظر ثانی تو درکنار۔

اب مسلمانوں خاص کر نئی نسل کے لئے ایک مشورہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

مودودی لٹریچر کا مطالعہ مودودی صاحب اور ان کے طرز فکر کے لوگوں کا لٹریچر لاکھوں صفحات پر پھیلا ہوا ہے، ان میں بعض کام کی باتیں بھی ہیں، اور بعض میں جادۂ حق سے انحراف ہے۔ جیسا کہ پہلے محاضرہ میں بھی آپ نے پڑھا کہ ۱۹۳۵ء تک ان کے مضامین میں خالص دینی رنگ رہا۔ اس لئے بزرگان دین نے سراہا بھی مگر بعد میں بدلتے چلے گئے، اب ہر شخص دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نہیں کرسکتا اس لئے اس سلسلہ میں مشورہ یہ ہے کہ آوارہ خوانی نہ ہو کہ جو کتاب دیکھی پڑھ لی۔ کیوں کہ ہر ایک میں امتیاز کا مادہ نہیں ہوتا، اور آسانی سے فکری کج روی کا اندازہ نہیں لگتا۔

نہ جا ظاہر پرستی پر اگر کچھ عقل و دانش ہے!
چمکتا جو نظر آتا ہے سب سونا نہیں ہوتا

اس لئے بزرگوں کے مشورے کے بغیر کوئی کتاب نہیں پڑھنی چاہیے۔

اس سلسلہ کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

"جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ جیسے راسخ العلم والعمل شخص

لہ ماہنامہ زندگی ماہ ستمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۶۵ بحوالہ دو ضروری مسئلے صفحہ ۱۹۔

کو توراۃ کے مطالعہ سے منع فرمادیا، باوجودیکہ وہ فی نفسہٖ آسمانی کتاب تھی گو اس میں تحریف بھی ہوگئی تھی اور پھر مطالعہ بھی تنہا نہ تھا بلکہ خود حضور پرنور کو سنا رہے تھے اور اس میں جزءِ محرف کا معین و مبین ہوجانا ظاہر تھا اس کے بعد کسی فساد کے ترتب کا احتمال ہی نہ تھا مع ہٰذا پھر اس مصلحت سے کہ آئندہ کو یہ عمل ان مفاسد کے باب مفتوح ہونے کا سبب نہ بن جائے کس سختی سے منع فرمایا اور کیسی ناخوشی ظاہر فرمائی جیسا کہ حدیث دارمی میں مذکور ہے" [1]

مودودیت اور اکابر دار العلوم کا موقف

اب سے تقریباً پینتالیس سال پہلے جب کہ جماعت اسلامی کا لٹریچر زیادہ سامنے نہیں آیا تھا اور اس کے قیام کو آٹھ نو سال ہی گذرے تھے تب ہی ہمارے اکابر نے اس کی زہرناکی کا اندازہ لگالیا تھا، واقعتاً ؏

تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

اور دارالعلوم کی طرف سے یہ تحریر شائع ہوئی :

"اس جماعت کی کتابیں عوام کو نہ پڑھنی چاہیئے اور نہ جماعت میں داخل ہونا چاہیئے۔ مودودی صاحب کے مضامین اور کتابوں میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اہل سنت والجماعت کے طریقہ کے خلاف ہیں۔ صحابہ کرام رضا اور ائمہ مجتہدین کے متعلق ان کا اچھا خیال نہیں ہے، احادیث کے سلسلے میں بھی ان کے خیالات ٹھیک نہیں ہیں اس لئے مسلمانوں کو اس جماعت سے علیحدہ رہنا چاہیئے" [2]

اکابر دار العلوم میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے تو مودودیت کو شروع ہی سے بے نقاب کرنا شروع کر دیا تھا، جماعت کا دستور سامنے آتے ہی "مودودی دستور و عقائد کی حقیقت" کے ذریعہ اس کی حقیقت کو واشگاف کیا ہے، اور تحریر و تقریر سے اس فتنہ کی سرکوبی کرتے رہے، اور دیگر اکابر دار العلوم، نیز منتسبین دار العلوم

---

[1] اصلاح انقلاب ص۲۵ ؛ [2] دیکھئے رسالہ کشف حقیقت ص۳۲ ۔

برابر اس طرح کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم سے مودودیت کی تردید میں بہت سا مواد شائع ہوا اور ہو رہا ہے تاکہ ملت اسلامیہ کے سامنے حق واضح رہے۔

آخری گذارش

دین کے مسئلہ میں بڑے محتاط رہنے کی ضرورت ہے، ہر کس و ناکس کے اجتہاد پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے، قرآن و سنت کی وہی تشریح قابل قبول ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب عظام و اسلاف کرام سے منقول ہے۔

خاص کر دور حاضر میں جب کہ موڈرن مفسرین اور نئے نئے مجتہدین حشرات الارض کی طرح رونما ہو رہے ہیں۔

خدایا دست گیری فرما اور جادۂ مستقیم پر جمے رہنے کی توفیق عطا فرما (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ